بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

دہرِ سلاسل

بقلم ماہین احمد

NOVEL HUT

All rights are reserved by the author , you can’t publish or steal any of the scenes written in this novel.

If you do so , serious action will be taken for you . enjoy reading.

JAZAKALLAH

NOVEL HUT

قسط نمبر 1:

کہانی کی ابتداء میں تھی وہ سیاہ رات

جس پر قبضہ تھا ایک چھلاوے کا

سناٹوں میں جسکی قدموں کی آواز بھی شور مچایا کرتی تھیں

خوف سے جسکے موت بھی زندگی کے آنچل کو ڈھونڈتی تھیں

NOVEL HUT

کہانی کی شروعات میں تھے وہ وقت کی قید میں چار انسان

مہنگی پوشاکوں میں چھپے وہ چار اسیر

کون سفید تھا کون تھا دہر کی قید میں پھنسا سیاہ

وہاں سب تمہیں نظر آئے گئیں اعلیٰ انسان

NOVEL HUT

مگر جہاں رکی تھی کہانی وہ تھا ایک نیا پڑاؤ

گھپ رات میں مٹی نے کھائی تھی ایک ننھی جان

ذکر آئے گا اک کٹے سر والی گڑیا کا اور اُس سرخ جوکر کا

جو آخری دیدار بن کے آتے تھے ننھی خوشیوں کا

دہر کی اس سازش میں زنداں میں ہوا تھا نیا اضافہ

NOVEL HUT

یا انتقام کی آگ پر پانی ڈالنے کو آنے والا تھا کوئی مسیحا.؟

وقت نے پاسا پلٹا تھا کہانی نے نیا موڑ کاٹا تھا

وقت وقت کی قید میں تھا حکمران اپنی جون میں تھا

انسانوں کو درندا بنانے والا وہ تخت پر بیٹھا مکروہ انسان

محبتوں کے سفر کو وہاں زوال تھا

نفرتیں کوچے کوچے، نگر نگر کی خاک چھانتی تھیں

NOVEL HUT

مگر وہ خونی آشام آنکھوں میں تم جو دیکھو ذرا سی انسانیت

تو سمجھنا آئی تھی محبت رقص کرتی درندوں کو بنانے انسان

کون کس بساط کا تھا پیادہ، کون سیاہ تھا کون سفید

کسے نگلنے آئی تھی موت، کون مہرہ تھا، کون شکار

دہر کی اس عجب سلاسل میں کوئی بچنے بھی والا تھا

NOVEL HUT

یاں سب بننے والے تھے سیاہ کار انسان..؟

کہانی نے حال لکھا تھا ماضی سنایا تھا

ایک لڑکی کے قتلِ عام کی خبر کو ہواؤں میں اڑایا تھا

قسمت نے غار میں بند قیدی کو مہرا بنایا تھا

ایک پاگل کو سفاکیت کے در پے آن گرایا تھا

کیا سب یونہی چھپنے والے تھے دہر کے لبادے میں.؟

یاں ان چھ کی آمد بدلنے والی تھی کہانی کا رخ

NOVEL HUT

کہانی کا وہ دورانیہ کٹھن تھا کیونکہ سیاہ دل کے ہوئے تھے تین حصے پزل اب بھی تھا نا مکمل، جفائیں اب بھی تھی باقی

دوستی کے جذبے نے جہاں کھولے تھے نئے باب وہی شیشیوں پر جمی گرد اڑی تھی

دہر سلاسل میں سانس لیتے ان ماضی کے پتلوں کی رسیاں کھلی تھی تو کہانی اختتام پے پلٹی تھی۔

NOVEL HUT

لفظ قید جب لیا جاتا ہے تو سوچیں کئی طرح کے مجموعے انسان کی نظروں کے سامنے سے گزارتی ہے مگر حقیقت پر مبنی قید صرف ایک نہیں ہر طرز کی ہوتی ہے لفظ قید کی مدح صرف کال کوٹھری میں بندش شدہ شخص پر ہی ختم نہیں ہوتی نا ہی اسکی توصیف اتنی مختصر ہے کہ سیاہی میں لپٹی چار دیواری کو مدعِا بیان بنا دے اور اگر تم اس زندان کو دہر کے ساتھ جوڑ دو تو اسکی تشریح نا ممکن ہو گئی تم پھر وقت کے قیدی سے سناشائی نہیں کر سکتے اسکا پہلا، آخری کوئی تاثر تم کبھی نہیں بھانپ سکو گئے وہ شخص جو وقت کی گرفت میں ہو وہ پھر وقت کی طرح نہیں موسم کی طرح بدلتا رہتا ہے جیسے حال میں جیتا انسان مگر ماضی کی بھیانک سیاہیوں میں سفر کرتا اسکا وجود زنداں کی دیواروں سے لگا ہو گا اور یہ ایسی قید ہے جس میں انسان آزاد ہو کے بھی بندش میں ہوتا ہے۔ ایسا خلوت خانہ جس میں انسان کی متاعِ حیات پر ممانعت کا دھبہ لگ چکا ہو جو انسان کو قیدی بنائے اسکے پیروں میں بیڑی ڈال دے۔ روک لے اسے آگے بڑھنے نا دے اور اگر یقین کرو تو یہ قید کال کوٹھری میں بندش شدہ شخص کی قید

سے زیادہ بیگانی اور خطرناک ہوتی ہے اس قید میں انسان باغی بنتے ہیں یاں بزدل۔ دہرِ سلاسل میں جیتے لوگ ماضی کے ڈسے ہوئے، حال کے بھی نا رہے۔

اسلام آباد

رات کا آخری پہر بھی آہستہ آہستہ سِرک رہا تھا سارے میں پھیلی سیاہی آنے والے اجالے سے مات کھانے کو تھی ہر سو گھپ اندھیرے کی بادشاہی تھی جو محض کچھ گھنٹوں کی باقی رہی تھی سارے میں پھیلا سکوت ہر آواز کو بلند و بالا کرنے کی تہی میں تھا فضاؤں میں چلتی نرم ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھلے لگتے تھے

اس پہر اسلام آباد کی تارکول کی خالی سڑک پر ذی روح کا نام ونشان تک نہیں تھا سکوت یک بہ یک بھاری ہو رہا تھا اسلام آباد کی سڑکیں خالی گھر قطار میں تھے وہاں جو چیز اکثریت میں تھی وہ سبزا تھا درخت جن کے پتے ہوا کے دوش سے ہلتے رات کی سیاہی میں مانوس کرتے تھے درختوں کی اوٹ میں بیٹھا ایک نوجوان جسکے پاس سے دھواں اڑ رہا تھا وہ دھواں سگریٹ کا تھا اس زہریلے دھوئیں کے کش بھرتا وہ لڑکا سبزے سے اٹھا تھا گھر کی جلتی بتی میں اسکا حلیہ واضح ہوا درمیانہ قد سیاہ آنکھیں مناسب نقوش چہرے پر اکھڑپن اور کوفت کے آثار تھے وہ متناسب چال چلتا سگریٹ کے کش بھرتا گنگاتا جا رہا تھا شاید اسکا گھر کہیں اور تھا وہ وہاں سگریٹ نوشی کرنے آیا تھا۔

NOVEL HUT

آہ یہ زہریلے مادے اور ہماری تباہ ہوتی نوجواں نسلیں۔ محبت اور نشہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا کوئی اس کم عمر لڑکے سے جا کے پوچھتا نشہ کیا ہے جسکے

لئے وہ رات کے اُس پہر گھر سے چوری چھپے وہاں وہ زہر اپنے اندر انڈیلنے آیا تھا۔

والدین کی نظروں سے چھپ کر گناہ کرنے والوں کو کب یہ بات سمجھ میں آئے گئی جسنے زندگی بخشی ہے جو اعمال نامے تیار کروا رہا ہے وہ تمہارے ارادے آتی جاتی سانسوں سے بھی پہلے بھانپ لیتا ہے انسان اپنے سیاہ اور گنہگار ظاہر کو چھپانے کیلئے رات کی سیاہی کا سہارا لیتے وقت یہ بھول جاتا ہے اللہ دن کے اجالے میں بھی اسکے باطن سے واقفیت رکھتا ہے۔

NOVEL HUT

ہلال کی مدھم روشنی اس کم عمر سیاہ آنکھوں میں مدہوشی اور نیند کا خمار لیے دھیمے قدم اٹھاتے نوجوان پر پڑ رہی تھی۔ تبھی درختوں کی اوٹ سے نکلتا شخص اسکے پیچھے ہو لیا تھا اس نوجوان نے اپنے قدموں کے ساتھ مزید دو قدموں کی

آہٹ محسوس کی وہ رک گیا اسنے مڑ کے دیکھا رات کی سیاہی میں تارکول کی سڑک خالی تھی درخت کے پتے لہرا رہے تھے اسنے سر جھٹکا مگر وہی قدموں کی چاپ۔

خاموش مگر ڈراؤنی۔

اب کے وہ چلتا رہا مگر پلٹا نہیں خود کو نارمل رکھتا مگر آنکھوں میں خوف کی رمق اٹھ رہی تھی۔ تعاقب میں چلتا شخص گھر کی زردبتی کے قریب لگے درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا حلیہ واضح ہونے لگا اونچا دراز قد، سپاٹ خالی نظریں، نکھری رنگت، کھڑی ناک اسکے چہرے پر ایسا کچھ نہیں تھا جو اسے دوسروں سے مختلف بناتا البتہ اسکی برف نما آنکھوں میں کشش تھی جو اسے رک کر دیکھنے پر مجبور کرتی وہ چہرے سے شریف معلوم ہوتا شخص آنکھوں کی کشش

میں تنکا نما رکھی حیوانیت سے مات کھا جاتا تھا اسے دیکھنے پر اگر دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تو اسکی آنکھوں کی بینائی میں اپنا عکس جذب ہوتے دیکھ خوف سا جسم میں سرائیت کرتا تھا سیاہ لانگ کوٹ میں سر پر سیاہ پی کیپ پہنے وہ پھر سے تعاقب کار بنا تھا۔

سیاہ آنکھوں والا لڑکا بوٹوں کی بھاری چاپ پر تیز تیز چلتا گیا چلتے چلتے وہ بھاگنے لگا موت اسکے تعاقب میں تھی اسنے جس چیز کو ہلکے میں لیا تھا وہ اسکی غلطی ثابت ہونے والی تھی

NOVEL HUT

قبل از جو رات اسے مسرور کر رہی تھی اب وہ ہانٹ کرنے کا باعث بن گئی تھی۔ اب وہ باقاعدہ بھاگ رہا تھا ہانپتے اسنے موبائل نکالا وہ واٹس ایپ کھول

رہا تھا پیچھے وہ وحشیانہ آنکھوں والا شخص بھی اسی رفتار سے اسکی پرچھائی بنا ہوا تھا۔

وہ بھاگتے بہت آگے نکل آیا وہ زیرِ تعمیر جگہ تھی قطار میں تین بڑی بڑی زیرِ تعمیر بلڈنگز تھی وہ پہلی میں گھس گیا رات کی سیاہی ابھی بھی باقی تھی وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا موبائل کی روشنی اسکے ماتھے پر پھسلتے ننھے ننھے پسینے کے قطرے نمایاں کر رہی تھی سرخ اینٹوں والی دیواریں تیز قدموں کی چاپ سنے جاگ گئی تھیں۔ وہ زینے چڑھتا گیا مڑ کے دیکھنے کی اسنے حماقت نہیں کی تھی جیسے اسے معلوم تھا تعاقب کار کون ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔

NOVEL HUT

پلڑ کی اوٹ میں رکتے اسنے دو تین نمبر ڈائل کیے شہاب کا نام اور نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا بیل جاتی رہی ساتھ اسکی سانسیں بھی بڑھتی چلی گئی دل خوف سے

دھڑک رہا تھا آنکھیں خوفناک منظر دیکھ لینے جیسی روادار سناتی، منظر ایسا بھی نا تھا مگر اسے لگ رہا تھا جیسے وہاں موجود ہر شے اسے آدبوچے گئی۔

کال اٹینڈ ہوئی۔ وہی بوٹوں کی بھاری چاپ قریب ہونے لگی ایسی آواز جو خوف میں مبتلا کر دیتی جو حواس چھین لیتی اور موت کا خوف تو شاطر دماغ والوں کو بھی پسیج کے رکھ دیتا ہے وہ تو پھر کم عمر لڑکا تھا۔

ہیلو شہاب شہاب وہ آگیا ہے وہ یہی ہے وہ میرا پیچھا کر رہا ہے وہ مجھے بھی مار ڈالے گا مجھے بچاؤ میرے پاس آؤ جلدی آؤ۔ الفاظ ٹوٹنے لگے آواز بھاری ہوتی گئی اور وہ رونے لگا۔

کون آگیا ہے عبدل مجھے بتاؤ تم کہاں ہو میں ابھی آتا ہوں کون ہے مجھے بتاؤ۔
شہاب کی نیند سے ہڑبڑا کر اٹھنے والی آواز موبائل سے باہر گونجی۔

۔۔۔ وحشیانہ آنکھوں والا شخص اسکے کندھے پر بازو (Phantom) فینٹم
پھیلاتا موبائل پر قدرے جھک کر سرگوشیانہ بولا۔

رات کی تاریکی، سنسان بلڈنگ، کانوں میں سائیں سائیں کرتی ذرا سی آوازیں
اور ساتھ اس شخص کی شیطانیت بھری سرگوشی۔

NOVEL HUT

آہ وہ لمحہ وہ خوفزدہ لمحہ سیاہ آنکھوں والا عبدل سفید پڑ گیا دل رک سا گیا موت کا
خوف اتنا حاوی ہوا وہ ہل سکا نا کچھ کہہ سکا۔

وہ منظر اسکے لئے اسقدر بھیانک تھا کہ عام شخص کی چیخیں سنائی دیتی مگر صد شکریہ تھا سامنے کھڑا شخص "انسانی چھلاوا" تھا۔

مگر کیا تمہیں تاریک رات میں تعاقب کرتا انسانی چھلاوا بھٹکتی روح سے زیادہ خوفناک نہیں لگتا..؟

اسکا جسم گویا برف کا ڈھیر بن گیا تھا رات کی سیاہی نے پھر سے چال چلی تھی موت دندناتے زندگی نگلنے کو آئی تھی۔

NOVEL HUT

وہ چہرا نہیں دیکھ سکا موبائل گر چکا تھا کال کٹ چکی تھی وہ گہرے سانس لیتا مرنے کے قریب تھا۔

تم نے کبھی موت کو قبرستان جاتے دیکھا ہے..؟ وہی سرسراتا لہجہ۔ "لڑکے کا سر خود بخود نفی میں ہلتا چلا گیا" وہ جانتا تھا جس تعاقب کار کے شکنجے میں وہ اس وقت بے دم سا کھڑا تھا اسکا نام فینٹم ہے رات کی سیاہی میں انسان کی موت بن کر آنے والا چھلاوا۔

ایسا معلوم ہے کیوں ہے "موت کبھی موت کے پیچھے نہیں جاتی موت زندگی کا تعاقب کرتی ہے کالک لگی مبہم نقوش والی موت جسے تازہ، رنگین گناہوں سے لدی زندگیاں پسند ہوتی ہیں"

NOVEL HUT

اسکی پشت پر کھڑا فینٹم گویا ہر لفظ سے اسکی جان جسم سے نکالنے کا کام کر رہا تھا۔

میں موت ہوں ایک فینٹم جسے رنگین زندگیاں پسند ہیں۔ وہ گھمبیرتا سے ہنس رہا تھا آنکھیں خون آشام اور بس سامنے موجود لڑکا ڈھیر ہو گیا اور سرخ اینٹوں والی دیوار نے خوف سے آنکھیں میچ لیں مگر آنکھیں وہاں چار نہیں چھ تھیں دو سہمی نگاہیں جو اس منظر کو غلطی سے بینائی میں جذب کر بیٹھی تھی۔

انجانے میں ہوئی وہ غلطی زندگی کو کس موڑ لے جائے گئی دیکھنے والی سہمی نگاہوں کو کیا معلوم تھا۔؟

دھپ کی آواز میں، چھناک کی آواز بھی شامل تھی ایسی آواز جو کانوں کی توجہ مانگتی تھی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو مکان بنتے..؟

گھر کے سائبان کو چھت سے لگتے، سکون کو غارت ہوتے۔

دیکھا ہے تم نے کبھی مکانوں میں کٹ پتلیوں کے بسیرے.؟

خلوت خانوں کو زندان بنتے, خواہشوں کے انتقال ہوتے۔

NOVEL HUT

محبتوں کو آسیب بنتے، خوشیوں کو خفا ہوتے۔

دیکھا ہے تم نے کبھی اینٹ کے مکانوں میں پتھروں کو بستے.؟

(ایک ماہ بعد)

رات کی سیاہی مانند پڑ چکی تھی صبح کا اجالا بادشاہت سنبھال چکا تھا سورج کی پھوٹتی کرنیں ہر سو میں نئی صبح کی نوید سنا رہی تھی فضا میں گونجتی فجر کی اذان نیند میں ڈوبے انسانوں کو اللہ کی طرف بلا رہی تھی صبح کا وہ وقت تھا جب انسان کو نیند ہر شے سے زیادہ پیاری لگتی ہے یہ ایک نیچرل بات ہے کیونکہ وہ خمار آلودہ سکون دہ نیند ہوتی ہے۔

مگر جس نے وہ نیند بنائی اسکے لئے اس قیمتی نیند کی قربانی دینے والے بھی کوئی کوئی ہوتے ہیں فجر کی نماز پڑھنے والے بہت ہوتے ہیں مگر فجر کے اذان سن کر فوراً سے اٹھ جانے والوں کا الگ لیول ہوتا ہے ایسے میں اسلام آباد کے مناسب سے رہائشی علاقے میں موجود تین منزلہ عمارت کی دوسری منزل پر بنے گھر کے مناسب سے کمرے میں بنا چاپ چلتے ہیں۔

کمرا زیادہ بڑا نہیں تھا دو بیڈ کے درمیان میں رکھی ٹیبل جس پر لیپ ٹاپ اور موبائل رکھا تھا دائیں دیوار سٹڈی ٹیبل کیلئے منتخب تھی جسکی دوسری طرف سفید رنگ کی بڑی الماری رکھی تھی جس کے پلوں پر باربی اور سنو وائیٹ کے طرح طرح کے اسٹیکرز چپکے تھے بائیں طرف بنی دیوار خالی تھی وہ خالی پن عجیب تھا شاید وہاں کچھ ایسا تھا جو اب وہاں نہیں تھا مگر اسی دیوار اور بیڈ کے درمیان نیچے موٹے کالین پر جائے نماز بچھائے بیٹھی وہ لڑکی دعا مانگ کر فارغ

ہوئی تھی کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آتی روشنی اسکی پشت پر پڑ رہی تھی اب وہ نماز رکھ کے دروازے کے قریب آئی اسکا چہرا واضح ہوا۔

دبلی پتلی جسامت سیاہ گہری آنکھیں جو پژمردہ تھیں سرد مرجھائی ہوئی سیاہ آنکھیں جن میں کوئی امید کی جوت تک نا دکھتی تھی گول چہرا بھرے بھرے گال سیاہ لمبے بال جو کندھوں سے نیچے تک آتے تھے وہ خوبصورت تھی البتہ پُر کشش نہیں تھی وہ کسی کی نظر کا "اچانک بننے" والا منظر نہیں تھی مگر آنکھوں میں ٹھہر جانے والا عکس ضرور تھی۔

NOVEL HUT

اٹھے ہوئے کندھے متناسب قد اسکی شخصیت میں وقار اور رعب تھا وہ چادر طے کرتی بالوں کو کندھے سے جھٹک رہی تھی جو شاید اسے گردن میں چبھنے کا باعث بن رہے تھے۔

ہانی امی سے کہہ دینا میں آج کالج نہیں جاؤں گئی۔ لحاف میں دبکی دوسری لڑکی وہی سے ممنائی تھی۔

اگر تم اپنے خاندان کی تمام لڑکیوں کی نادیدہ کامیابیوں کی تعریفیں نہیں سننا چاہتی تو اگلے دو منٹ میں اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ نور میں کچن میں جا رہی ہوں تم اٹھ کے نماز پڑھو۔ اسکا پہلا جملہ لحاف میں دبکی لڑکی کو اسقدر چھبا تھا وہ اٹھ بیٹھی خفگی سے بڑی بہن کو گھورتی رہی۔

NOVEL HUT

کتنی بار میں نے کہا ہے فجر کی نماز آخری وقت میں نہیں اذان کے فوراً بعد پڑھا کرو وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر کمرے سے نکلتے سرمئی لباس اور چادر والی

لڑکی کی آواز دھیمی پڑتی گئی دروازے سے آتی روشنی نے نور کے افسردہ چہرے کو دیکھ برا سا منہ بنایا تھا۔

نماز پڑھو نماز پڑھو کیا کرنا ہے آخر نماز پڑھ کے۔وہ لحاف جھپٹ کے پھینکتے اٹھی اسکی چال میں غصہ اور جارحیت تھی گھر کی چھوٹی اولاد مگر جن گھروں میں خاندانی مسئلے مسائل پھن پھیلائے رکھیں وہاں کے چھوٹے بڑے تمام بچے اپنا بچپن کھو دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک بچہ وہ نور بھی تھی سانولی رنگت والی بھورے گھنگھرالے بال آنکھیں بھی بھوری تھی چہرے پر اس وقت کوفت اور خفگی نا ہوتی تو وہ تمہیں ضرور پُر کشش لگتی۔ جس چیز میں وہ اپنی بہن سے نمایاں ہوتی تھی وہ

اسکا دراز قد تھا جسکی وجہ سے عمر میں چھوٹی ہونے کے باعث بھی وہ ہانی کی بڑی بہن لگتی تھی۔

ہانی چادر سنبھالے کچن میں آئی گھر کا دروازا زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی مطلب آج بھی ابھرتا سورج پرانی بدگمانیوں کو اندھیروں کی نظر نہیں کر سکا تھا۔

کچن میں شیلف پر رکھا چائے کا مگ ویسی ہی بھاپ اڑاتا بے بسی سے ہانی کو تکتا رہا۔

NOVEL HUT

نور نے کیا خوب کہا ہے۔ اس اچانک آواز پر ہانی پر چھایا سکتہ ٹوٹا وہ ایکدم اپنی جگہ سے اچھلی تھی دل کی حالت خراب ہوئی تھی مگر چہرے کے تاثرات کمپوزڈ تھے۔

وقت کی پابندی اور زیادہ فرمابرداری کچھ بھی کر لو مگر پھر بھی قسمت میں لکھا ملتا ہے قسمت میں لکھی محبت اگر چیونٹی برابر ہو تو اتنی ہی ملتی ہے۔ لمحہ بھر ہانی کو ہر شے سے مایوسی محسوس ہوئی۔

اور اگر قسمت میں نقطہ برابر بھی محبت نا ہو تب بھی نہیں ملتی اور جو چیز قسمت سے نہیں ملتی کہیں سے نہیں مل سکتی۔ کسی اور کی حصے کی چائے لیے نوردکھ کی سِل سے بنے اذیت میں لپٹے طنز اسکے کانوں میں پھونکتی فریش بسکٹس کا جار کھول چکی تھی۔چہرے پر اب بھی کوفت تھی۔

ہانی اسے دیکھتی رہی وہ اسے کسی کا عکس لگتی تھی "پر تو" مگر کس کا.؟ ہانی نے سر جھٹکا۔

ایک لمحہ آیا اور اسکی سیاہ آنکھوں میں امید کا جوت جلاتا نکل گیا۔ وہ جلد باز تھی وہ بہت جلدی فیصلے لیا کرتی تھی۔

کہاں جا رہی ہو.؟ اسے کچن سے نکلتے دیکھ نور نے پکارا۔

NOVEL HUT

لائبریری " مختصر جواب، کئی سوالات، اَن گنت سوچیں۔"

آپ ہمیشہ سے ہی خودرائی رہی ہیں ابو کے فیصلوں سے متفق نا ہونا آپ کی پرانی عادت ہے۔ وہ بسکٹ منہ میں رکھتی بولی۔ ہانی کی آنکھوں میں جلتی جوت امید کی نہیں تھی اتنا تو وہ بھانپ چکی تھی۔

خودرائی، سرکشی بھی بچے میں والدین کی ڈالی گئی ہوتی ہے وہ پیدا ہوتے وقت ساتھ نہیں لے کر آتے میں سرکش نہیں ہوں میں اظہارِ خیال کرتی ہوں۔ وہ بدتمیز نہیں تھی حق پرست تھی۔

سیاہ آنکھیں کسی بھی جذبے سے عاری تھی وہ سپاٹ تھی نور کچھ بول نہیں سکی جاتے جاتے وہ پلٹی۔

بلا اجازت کسی کی چائے پی جانا حقدار کا حق مارنے جیسا ہوتا ہے۔ دوسروں کی چائے پر قبضے مار کر ہی آج تم نے اپنی رنگت سانولی کر لی ہے "یو نو ناحق کسی کی چائے پینے کی سزا"

وہ لب تپائی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی کچن سے نکلی ہر اٹھتا قدم مضبوط اور مستحکم تھا کیونکہ ان پر حق پرستی کا دھبہ لگ چکا تھا اک نیا سویرا، اک نیا جنون، اک نئی جنگ۔

پیچھے شیلف سے ٹیک لگا کر کھڑی نور کا حلق تک کڑوا ہوا تھا مگر وہ نور یعقوب خان تھی دوسروں کی چائے پی جانا اسکی پرانی عادت تھی اسلئے رتی برابر افسوس نہیں تھا۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

یہ ایک مناسب سے کمرے کا منظر تھا کھڑکی سے اگتے سورج کی کرنیں بیڈ کی سائیڈ پر جائے نماز بچھائے دعا مانگتے نظر آتے سولہ سترہ سال کے لڑکے کے چہرے پر پڑ رہی تھی اسکی سیاہ آنکھیں سوجھی ہوئی جن سے آنسو لگاتار بہہ رہے تھے جانے وہ کم عمر لڑکا کیوں رو رہا تھا لبوں سے دبی دبی سسکیاں سنائی دیتی اسکے رونے میں بے بسی تھی آنکھیں خالی اور چہرا کرب سے لتھڑا تھا سیاہ آنکھوں میں کچھ کچھ خوف کے بھی عنصر تھے۔

NOVEL HUT

وہ جائے نماز اٹھائے کھڑا ہوا کمرے کی مین لائیٹس اون کی سارا کمرا نیلے اور سفید رنگ کے امتزاج سے منور تھا فرنیچر کے نام پر ایک واڈراب اور سٹڈی چیئر ٹیبل رکھی تھی نرم موٹے قالین پر کمرے کے دائیں طرف میٹرس بچھا تھا

جس پر نیلے اور سفید رنگ کی بیڈ شیٹ کمفرٹر کشن رکھے تھے اسنے بیڈ کے اوپر لگی لائیٹ اون کی۔ غلطی سے ساتھ والا بٹن بھی دب گیا۔

میٹرس بچھی پشت والی دیوار پر بڑے حروف والی نیاون لائیٹ میں "مرسل" لکھا تھا اور تبھی سوگ میں مبتلا مرسل نے اپنے جگمگاتے حروف سے روشنی چھین لی۔

وہ چلتا بیڈ کی دوسری سائیڈ گیا جہاں سٹڈی ٹیبل پر رکھی بھورے کور والی موٹی ڈائیری کو اسنے پوروں سے چھوا۔ لبوں پر زخمی مسکراہٹ رینگ گئی۔

گھنگھرالے بالوں والا لڑکا روتے ہوئے بھی مسکراتا تھا نا جانے اتنے آنسو اسکی آنکھوں میں کیوں ٹھہرے رہتے تھے۔ اسنے ڈائیری اٹھائی میٹرس کی طرف بڑھا۔ چال میں لغزش تھی وہ کسی گہرے دکھ میں مبتلا لگتا تھا۔

اسنے ڈائیری بیگ میں رکھنی چاہی کہ ہاتھ سے کچھ ٹکرایا بیگ کو ٹٹولا تو اس سے برآمد ہونے والی چیزیں اسکے ہوش سلب کر گئی وہ جھٹکا کھا کے میٹرس سے فرش پر جا گرا۔

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جسم میں انتشار برپا ہوا لب ہلکے سے وا ہوئے بڑبڑائے تھے "پھر سے نہیں"۔ مرسل نے کپکپاتے ہاتھوں میں اٹھائی ادھ جلی سگریٹس اور انجیکشن کو دھندلی آنکھوں سے دیکھا۔

یکبارگی، اور اسنے ایک بار پھر جھٹکا کھایا وہ چیزیں اٹھا کے میٹرس کے نیچے چھپا دی باہر سے قدموں کی چاپ قریب تر ہوتی جا رہی تھی مرسل موبائل لیتا واشروم میں گھس گیا ہاتھ پیر ابھی تک کپکپا رہے تھے۔

جلدی گھر آجائیں مجھے آپ کی ضرورت ہے۔چند لفظوں پر مشتمل عام سا پیغام آنسوؤں اور ہچکیوں سے لبریز کوئی اور ہی ستم گری گڑھنے والا تھا

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

NOVEL HUT

فجر کے وقت کی سیاہی اب مکمل طور پر چھٹ چکی تھی آسمان صاف اور نیلا تھا سورج بھی چمکنے کو تیار تھا ایسے میں تین منزلہ عمارت کی دوسری منزل میں

سانولی رنگت والی لڑکی ایک کمرے سے دوسرے کی طرف بھاگ رہی تھی اس گھر میں اس وقت مخصوص گھریلو ماحول جیسا سین تھا۔

نور بھاگ بھاگ کر کالج کی تیاری کر رہی تھی کتنی بار کہا ہے رات کو اپنا یونیفارم استری کر کے سویا کرو مگر تم ڈھیٹ ہو گئی ہو میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تم پر نور۔ فاطمہ (نور اور ہانی کی والدہ) نے کچن کی دہلیز میں آتے اونچی آواز میں اسے سلوتیں سنائی ساتھ ابلتی چائے کے برتن کو سٹو سے نیچے اتارا تھا۔

NOVEL HUT

نور بنا کسی چوں چراں کے ہاتھ پیر چلا رہی تھی ظاہر تھا کچھ بول کے اڑتا ہوا چمٹا تو کھانے سے رہی۔

فاطمہ چائے کا مگ اور پراٹھا ٹیبل پر رکھنے آئی۔ ہانی صبح والے کپڑوں میں ملبوس کمرے سے باہر آتی دکھائی تھی۔

آپی لائبریری جا رہی ہیں" نور اپنی جگہ سنبھالتی بول پڑی کجا کے یہ فلمی سین" نظروں ہی نظروں میں چلتا رہتا اور وہ بور ہوتی رہتی۔

مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے..؟ ادب شائستگی سے کیا گیا سوال فاطمہ کو متغیر کرنے کا باعث بنا۔ وہ اوپر سے نیچے سر ہلاتی کچن کی طرف لوٹ گئی۔

NOVEL HUT

مطلب آج اس گھر میں ایک نئی قیامت برپا ہو گئی۔ ہانی نے موبائل سے نظر ہٹائی سفید اور گلابی امتزاج کے یونیفارم میں ملبوس اسنے بجھے بجھے چہرے والی لڑکی کو دیکھا جسکے لہجے میں تکان واضح تھی۔

انسانوں کی برپا کی قیامتیں ہولناک نہیں ہوتی صرف گرجدار ہوتی ہیں۔" اسکا" لہجہ متناسب تھا۔

قیامت کوئی بھی ہو جھیلنی تو انسانوں کو ہی ہوتی ہے پتھروں کو نہیں آپ اور ابو تو ویسے انا کی جنگ میں پتھر بن چکے ہیں ہمیں تو مت سزا دیں وہ بولی تو لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

"وہ جلد ہار مان جایا کرتی تھی نا جانے وہ ایسی کیوں تھی.؟"

ہانی نے تکان سے گہری سانس خارج کی اسکی سیاہ انکھوں میں دکھ نمایاں ہوا تھا۔ میری ابو سے کوئی جنگ نہیں ہے نور نا ہی میری انا اس معاملے کی بنیاد بنی

ہے یہ میری بقا کی جنگ ہے جو اگر آج میں اپنے لئے نہیں لڑی تو کل تمہارے لیے بھی نہیں لڑ سکوں گئی۔

خاندان کے مرد اپنی عورتوں کیلئے مضبوط ستون کی طرح ہوتے ہیں وہ مستحکم ہی اچھے لگتے ہیں انہیں کبھی بھی غلط راہ چلانے والی "بیساکھی" اور ہماری زندگیوں کو "وہیل چیئر" پر بیٹھے مفلوج انسان کی طرح کنٹرول کرنے والا مرد نہیں بننے دینا چاہئیے۔ چائے ٹیبل پر رکھتی فاطمہ نے بیٹی کو سرسری سا دیکھا۔

نور خاموشی سے ٹھنڈی چائے حلق میں اتارتی رہی جیسے وہ سب باتیں اب اسکے لئے بے معنی ہوں۔ دروازے کے پار کالج وین کا ہارن سنائی دیا۔ ہانی نے اسے جاتے دیکھا وہ خود بھی اٹھی چائے کا مگ آدھا بھرا تھا وہ نور کی طرح ٹھنڈی چائے نہیں پیتی تھی۔

زندان کو اڑان سمجھ کر اڑو گئی تو زمین ملے گئی نا منزل خود کو مضبوط بناؤ ورنہ اندھے پرندے کی طرح ساری عمر اپنی ذات کی قیدی بنی رہ جاؤ گئی۔ نور کے قدم سن ہوئے تھے۔

کیا وہ واقعی اپنی ذات کی قیدی بن چکی تھی.؟

ہاں۔ نوریعقوب خان اپنی ذات کی قیدی تھی۔

NOVEL HUT

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

وہ ایک شاندار وسیع عمارت کا منظر تھا پوش علاقے میں واقع وہ عمارت کسی عالیشان بنگلے سے کم نا تھی اس بنگلے میں رہنے والوں کا بھی الگ معیار تھا انکا بول چال اٹھنا بیٹھنا رہن سہن سب خاندانی تھا بنگلے کے باہر لگی الطاف یوسفزئی کی نیم پلیٹ چمک رہی تھی بنگلے میں داخل ہوتے دائیں طرف جاؤ تو سامنے اوپن لاونج سے ہوتے ہی بڑا سا ڈائیننگ ایریا تھا جو کے اوپن کچن سے ملحقہ تھا اس وقت وہاں دو لوگ ان سیاہ کرسیوں پر براجمان ناشتے کرنے کی تیاری میں تھے اکلوتی ملازمہ ٹیبل پر ناشتے کے لوازمات چن رہی تھی سربراہی کرسی پر بیٹھے الطاف یوسفزئی کی تیز نگاہ گھڑی کی سوئیوں پر ٹکی تھی دائیں طرف بیٹھی تحریم یوسفزئی یکے بعد دیگرے اپنے شوہر کے بگڑے تاثرات ملاخط فرما رہی تھی۔

NOVEL HUT

ماحول میں تناؤ بڑھتا جا رہا تھا کالج بیگ کندھے پر ڈالے تکان زدہ چہرے سمیت زینے پھیلانگتا مرسل یوسفزئی کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا سست روی سے

اٹھتے قدم کسی الجھی کیفیت کا پیغام دیتے تھے قدموں کی آہٹ مخصوص پوائنٹ تک پہنچی۔

مرسل نے اپنی نشست سنبھالی تو ناشتے کا آغاز کیا گیا۔

رات کو لیٹ سوئے تھے..؟ مرسل کا منہ تک جاتا ہاتھ اچانک تھم گیا۔ اسنے ترچھی نظر سے اپنے ڈیڈ کو دیکھا۔

سیاہ آنکھیں، گھنگھرالے بال، سفید رنگت اور متناسب نقوش۔ ہاں.! وہ اپنے ڈیڈ کا پرتو تھا مگر جو چیز مختلف تھی وہ الطاف صاحب کے چہرے پر پھیلی حد سے سوا سنجیدگی جو کبھی کبھی آنکھوں میں چھپے ترحم کی سناشائی میں الگ ہی

کہانی سنایا کرتی تھی جیسے انکے چہرے کے تاثرات بناوٹی ہوں مگر در حقیقت وہ ایک کٹھور، بے رحم اور وقت کی سختی سے پابندی کرنے والے انسان تھے۔

جی نہیں میں دس بجے سو گیا تھا۔ "تو پھر ناشتے کی ٹیبل تم دس منٹ لیٹ ،کیوں آئے ہو.؟ آہ یہ وقت کے اوور پابند بڑے لوگ

بچوں پر بے جا سختی کرنے والے پیرنٹس پھر اپنے بچوں کے دوست نہیں "رہتے۔

مرسل کا جوس کا گلاس تھاما ہاتھ کپکپایا نظریں جھکی ہوئیں وہ مسلسل ضبط سے بیٹھا تھا۔

آئندہ... ایسا نہیں ہو گا ڈیڈ۔ لفظ اٹکے، لہجہ رندھ گیا۔

ساتھ بیٹھی تحریم نے مرسل کے تھائی پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا گویا ماں کے ہونے کا احساس دلایا ہو لفظوں سے نہیں "صرف موجودگی سے" اور تکلیف

میں بتلا یونیفارم میں ملبوس وہ گھنگھرالے بالوں والا مرسل مارے بندھے لقمے لیتا رہا۔

یہ سب نیا تو نہیں تھا یہ سختیاں اپنے ڈیڈ کا روکھا مزاج اسکے لئے اب پرانا ہو چکا تھا وہ خائف ہوتا تھا مگر کچھ عرصے سے وہ انجانے خوف میں بتلا رہنے لگا تھا ذرا سی ڈانٹ پھٹکار اسے خوفزدہ اور ہراساں کر چھوڑتی تھی نا جانے وقت نے اسے کیسی ستم ظرفی دکھائی تھی..؟ اپنے بھی اب اسکے لئے آسیب بن گئے تھے جن کا صرف سایہ ہی اسے اب خوف میں بتلا کر دیتا تھا۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

یہ ایک سنسان خاموش سے علاقے کا منظر تھا جہاں اس وقت موت کا سناٹا قائم تھا آبادی سے دور سنسان راہیں جس پر سیاہ گاڑی فراٹے بھرتی رواں دواں تھی گاڑی اب رک چکی تھی صبح کی تیز دھوپ سر میں سوئیاں چبھو رہی تھی مگر گاڑی میں موجود شخص کو اس تپتی دھوپ سے کیا غرض تھی اسے تو

اپنے سیاہ اعمال چھپانے کی فکر لاحق تھی اور یہ فکر بھی کوئی پریشان صورتحال والی نا تھی کیونکہ اس فکر میں ضد اور ہٹ دھرمی شامل تھی کیونکہ وہ کسی شریف انسان سے منسلک فکر ہرگز نا تھی اور امیر انسان تو پریشانیاں کے حل بھی پیسے سے خرید لیتے ہیں تو بس وہاں کی صورتحال بھی ایسی تھی۔

سیاہ گاڑی سنسان جگہ سے دوری پر ٹھہر گئی۔ دروازا کھلا ایک وجیہہ مرد باہر نکلا تھا۔ دھوپ کی حدت نے اسکا آدھا چہرا تمتمایا۔ سنہری دھوپ میں اسکی سنہری آنکھوں کی چمک خوبصورت لمحے کی فسوں خیزی جیسی تھیں جو چھناک کر کے نا ٹوٹتی اگر اس شخص کے ہاتھ میں پکڑا موبائل بدقت نا بجتا۔

ہیلو یس ڈیڈ۔ آواز میں بادشاہوں جیسا رعب قائم تھا۔

یہ قصہ آج ہی ختم ہو جائے گا ڈیڈ۔ مطمئن رہیں کیونکہ جن کہانیوں کے اختتام خدیر جہانگیر لکھتا ہے وہاں سیڈ اینڈنگز بلکل نہیں ہوتیں۔ یو نو نا آئی جسٹ ہیٹ سیڈ اینڈنگز اور پھر اس کہانی کی تو ابتداء بھی میں لکھوں گا اور اینڈنگ

بھی میری من چاہی ہو گئی۔ وہ مرد جتنا خوبصورت دکھنے میں تھا اسکا لہجہ اس قدر ہی سفاک اور بے رحم تھا۔

سب کچھ پلان کے مطابق ہونا چاہئیے۔ اسنے کوئی اضافی جملہ نہیں کہا تھا کوئی تہمید نہیں باندھی تھی کیونکہ سنہری آنکھوں میں طیش سموئے، لہجے میں کرختگی بٹھائے رعبدار آواز میں کہے گئے اسکے چند لفظ ہی حکم کی تعمیل جیسے تھے پتھر پر لکیر جیسے تھے۔

وہاں درختوں کی گھنی تعداد قائم تھی وہ غریبوں کی بستی تھی سنہری آنکھوں والا مرد گارڈز کے ہمراہ اس سنسان راہ سے ہوتے درختوں کی اوٹ میں بنی جھونپڑی کے پاس پہنچا تھا وہ جھونپڑی خستہ حالت میں تھی۔

تم لوگ یہی رکو میں آتا ہوں۔ خدیر سامنے بنے چھوٹے سے پرانے گھر میں داخل ہوا اسنے ٹوٹا دروازا کھٹکھٹانے کی ضرورت محسوس نہیں کی دروازے پر

لگا جگہ جگہ سے پیوند ہوا میلا سا پردہ ہٹائے وہ خوبصورت مرد اس خستہ حال جھونپڑی نما گھر میں کھڑا اسکی شان بڑھا رہا تھا

اسکی سنہری آنکھوں نے ایک کمرے پر مشتمل جھونپڑی نما گھر کا جائزہ لیا۔ باہر کی نسبت اندر کی حالت کچھ بہتر تھی صاف ستھرا ترتیب سے جڑا وہ کمرا جسکی ایک طرف دو بستر فرش پر اکٹھے لگے تھے جسکے اوپر دو گرم مگر پرانے اور میلے سے کمفرٹر رکھے تھے ایکطرف رکھا چھوٹا گیس سلینڈر، چائے کی دیگچی، کچھ کپ، دو گلاس، دو پلیٹ اور ایک فرائی پینگ وہاں کھانے کے برتن صرف دو کی تعداد میں تھے۔

خدیر کی آنکھیں گویا ہر شے کو اسکین کر رہی تھیں۔

ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی اور دنیا میں آگیا ہوں اتنی پیاری دنیا۔وہ یقیناً طنزیہ جملہ اور قہقہہ تھا کانوں میں آہٹ گونجی تو اسنے فوراً سے گردن پیچھے کی طرف

گھمائی اور اسی جھٹکے سے واپس مڑا وہاں کچھ عجیب تھا وہاں کچھ تھا جو اب نہیں تھا۔ مگر کیا..؟ اسکی آنکھیں پھیل کے سکڑی۔

ہاں۔فرائی پینگ۔ وہاں فرائی پینگ اب نہیں تھا۔

اور اسی رفتار میں سنہری آنکھوں والے خوبصورت مرد کے کندھے پر زور سے کچھ لگا تھا اسنے دفعتاً پلٹ کے دیکھا اور وہ حیران ہوتا رہ گیا پھر ہنسا۔

یہ پہلی بار تھا کہ اس شاہانہ مرد کا استقبال کسی نے فرائی پینگ سے کیا تھا۔یہ کیسا استقبال تھا بھلا..؟

اور اب یہ شاہانہ ملاقات کہاں کا رخ موڑنے والی تھی..؟

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

سفید رنگ کی گاڑی اس وقت اسلام آباد کی سڑکوں پر بھاگتی نظر آرہی تھی کبھی بادلوں کی اوٹ میں جاتی دکھائی دیتی تو کبھی سورج کی سنہری دھوپ کی تمازت میں تپتی ہوئی۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے لاہور کے برعکس اسلام آباد کی دھوپ میں ویسی شدت نہیں تھی یاں آج نہیں تھی۔

ہیلو یس مس سارہ (سیکرٹری) ... صالحہ عبید (رپورٹر) کو ریمائنڈر دے دیں آج انہوں نے مشہور بزنس ٹائیکون حنان صدیقی سے لاپرواہی میں ہوئے ایکسیڈنٹ کی رپورٹ کو کور اپ کرنے جانا ہے ساتھ میں شائق (کیمرہ پرسن) کو بھیج دیجیئے گا۔ مرسل ہموار مگر پریشان آواز میں بات کرتے اپنے ڈیڈ کو بغور سن رہا تھا۔

ابھی ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ وہ کچھ دیر توقف کے بعد پھر بولے۔

مومل لطیف (پروڈکشن ٹیم ممبر) سے کہیں ارتضیٰ جعفر (اینکر) کو تیار کریں ٹھیک ساڑھے دس بجے ٹاک شو (ڈارک مسٹری) سٹارٹ ہو جانا چاہئیے آج میں سٹوڈیو لیٹ آؤں گا۔ وہ پریشان معلوم ہوتے تھے۔ میرے آنے تک سب کچھ کنٹرول میں رہنا چاہئیے۔

انکا پر تحکم لہجہ ایسا تھا جیسے وہ پیدا ہی حکم دینے کیلئے ہوئے ہیں برفیلی آواز کا رعب ایسا کہ سننے والے پر حکم ماننا لازم ٹھہر جائے۔ مرسل نے اس گفتگو سے بیزار ہوتے آنکھیں بند کیں۔

نو بجے کی ٹائمنگ ہوتے ہوئے (مڈٹرم سٹارٹ ہونے کی وجہ سے کالج کی ٹائمنگز بدل گئی تھی) آٹھ بجے تک کالج پہنچا دیا جانا، سارے راستے نیوز پیدا کرنے، بنانے، تراشنے اور بیچنے پر گفتگو ملاخط فرمانا اب اسکا معمول بن چکا تھا۔

ہاں جی بلکل صحیح سوچ رہے ہیں آپ الطاف یوسفزئی کا اپنا نیوز چینل تھا "پاک 24/7"۔ جسے بنانے اور بلندیوں تک پروان چڑھانے میں انہوں نے دن دگنی رات چوگنی محنت کی تھی یہی وجہ تھی کہ اج انکا نیوز چینل پاکستان کی ریٹنگز میں تیسرے نمبر پر آتا تھا۔

ڈیڈ...وہ کافی دیر سوچنے کے بعد ہلکا سا منمنایا تھا۔

الطاف صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کا کہا وہ موبائل میں ٹائپنگ کرتے نظر آتے تھے۔ مرسل نے دل مسوس کے چہرا دوسری طرف پھیر لیا۔

کاش کبھی ڈیڈ کے پاس اتنا وقت ہو کہ میری ایک پکار انکی ساری توجہ میری" جانب مبذول کرا دے۔" وہ سوچ سکا مرسل یوسفزئی صرف سوچ ہی سکتا تھا۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

خدیر نے اپنے سامنے کھڑے اس جوکر کو دیکھا اسکی آنکھوں میں شیطانی چمک جاگ اٹھی اور یہی سے ابتداء ہوئی تھی اس کہانی کے خوفناک پڑاؤ کی۔ جس میں ملاقات ہوئی تھی شیطان صفت مرد کی، فرشتہ صفت لڑکی سے۔

جہاں انتقام کی آگ میں معصوم بچوں کی بلی چڑھنی تھی وہی کئی انسانوں نے زندان کاٹنا تھا کسی کی معصومیت چھین جانے والی تھی تو کوئی خود کو خدا مان بیٹھنے والا تھا۔

وہ جوکر ایک لڑکی تھی خدیر کی اسکین کرتی نگاہوں نے اسکے بڑھے ناخن، آنکھوں کی گھنی پلکیں اور جوکر کی ٹوپی سے باہر جھانکتے لمبے بالوں کی کچھ لٹوں کو دیکھ کر اخذ کیا تھا۔

مگر وہ اکیلی نہیں تھی اسکے پیچھے ٹانگوں کو دبوچے ایک چھوٹی سی بچی جو محض پانچ سال کی گولڈن بال اور براؤن کانچ جیسی آنکھیں وہ پری تھی وہ غریبوں کی بستی میں جنم لینے اور پلنے والی جادوئی دنیا کی سنڈریلا جیسی تھی خدیر بے اختیار جھکا اور اس لڑکی کو گود میں اٹھا لیا۔

میری بہن کو واپس نیچے رکھو۔ جوکر لڑکی انتہائی غصے سے پھنکاری تھی جبکہ پانچ سالہ بچی اشتیاق سے اس وجیہہ مرد کو دیکھ رہی تھی شاید وہ اسے پسند آگیا تھا۔

تمہاری بہن بہت خوبصورت ہے۔اسنے اسے صلح رحمی سے مسکراتے نیچے رکھا جوکر لڑکی کے چہرے پر عجیب سا تاثر ابھرا تھا وہ محض سولہ سال کی تھی جوکر والی کوسٹیوم پہنے اور چہرے پر پینٹ کروائے وہ بلکل ایک جوکر ہی لگ رہی تھی۔

مگر اسکی آنکھوں میں جوکر والا مخصوص شرارتی پن نہیں تھا اور وہ بھی نہیں تھا وہ ایک عجیب سا تاثر جو اسے واضح الجھن دیتا تھا کوئی بھی اس وقت خدیر جہانگیر کے چہرے کو دیکھتا تو بتا سکتا تھا وہ جوکرز کو ناپسند کرتا ہے اسے جوکرز سے الجھن تھی۔

کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو...؟ غصے بھرا لہجہ تھا۔

مجھے خدیر جہانگیر کہتے ہیں جوکر لڑکی۔ وہ ہنوز صلح جوئی سے بولا تھا۔ میری ماں اس وقت گھر پر نہیں ہے جا سکتے ہو تم۔

بہن کا ہاتھ پکڑتے اسنے ڈائریکٹ باہر کا دروازا دیکھایا۔

میں رومیسہ سے ملنے نہیں آیا لڑکی میں تم سے ملنے آیا ہو یاں یوں کہوں میں تمہیں آگہی دینے آیا ہوں۔سینے پر بازو لپیٹنے سنہری آنکھوں میں الوہی چمک لیے وہ اسکی طرف جھک کر بولا تو جو کر لڑکی دو قدم پیچھے ہٹی۔

وہ کچھ سمجھی نہیں مگر اسنے جو محسوس کیا تھا ان سنہری آنکھوں کی چمک اسکی بہن کو دیکھ بڑھ جاتی تھی ایسی چمک جس میں نرمی اور محبت بھی قائم تھی۔

مگر وہ آگہی کیا تھی.؟

♦♦•••♦♦♦•••♦

گاڑی کالج گیٹ کے سامنے زن سے رکی تھی مرسل نے سیٹ سے بیگ اٹھاتے ایک آخری نظر اپنے ڈیڈ کے چہرے پر ڈالی اور کالج گیٹ پار کر گیا کالج میں قدم رکھتے ہی اسے اپنا سانس مزید رکتا محسوس ہوا ارگرد لاپرواہی سے اپنی دنیا میں مگن یونیفارم میں ملبوس لڑکے اور لڑکیاں اسے اپنی طرف متوجہ ہوتے محسوس ہو رہے تھے مرسل کو لگا وہ اسے دیکھ رہے ہیں اسنے بھاری ہوتے

قدم اٹھائے وہ چلنے لگا۔ کندھے پر لٹکے بیگ کو مضبوطی سے پکڑے اسکی مترنم نظریں سبز گھاس پر ٹکی تھی جسے اسکے قدم روند کر گزر رہے تھے لمحے کو وہ رکا اور اسنے سوچا۔

کاش میں اتنا طاقتور ہوتا کہ خود پر ظلم کرنے والوں کو ایسے ہی پیروں تلے روند دیتا۔ آنکھ میں اٹکا اشق اندر دھکیلتے گھنگھرالے بالوں والے لڑکے نے اپنی ہی سوچ پر تضحیک آمیز قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ آیا۔ فضا ثقیل ہوتی جا رہی تھی کلاس روم کچھ دوری پر تھا اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا مگر اسے لگتا تھا سب اسکی طرف متوجہ ہیں۔ وہ ڈر رہا تھا خوفزدہ تھا۔

وہ چاہتا تھا اسے کوئی انسان نا دیکھے کاش اسکے پاس کوئی جادو ہوتا۔ وہ غائب ہو جانا چاہتا تھا مرسل یوسفزئی کو انسان ہانٹ کرتے تھے۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہیں ناں تو اسے ہانٹ کیوں کرتے تھے.؟

وہ گیلری میں داخل ہوا نظریں اب بھی فرش پر جمی تھیں جیسے نظر اٹھ گئی تو قیامت برپا ہو جائے گئی۔دفعتاً اسکے دماغ نے سامنے اوپر کو لے جاتی زینوں کو دیکھتے اسکی زندگی کے ورق کی گردانی کی تھی حال ماضی میں بدل چکا تھا۔

ایک لڑکا جسکے گھنگھرالے بال تھے وہ بشاشت اور چہرے پر زندگی سے بھرپور امنگ لیے تمہیں زینے پھیلانگتا دیکھائی دے گا۔ کیمسٹری کلاس کا آخری دورانیہ بھی ختم ہو چکا تھا اونچی اونچی ٹیبلز کے گرد کھڑے کالج یونیفارم میں ملبوس لڑکے اور لڑکیاں کچھ اشتیاق اور کچھ بیزاری سے سامنے کھڑے ٹیچر کے کیے گئے کیمسٹری ریایکشنز کو دیکھتے اسکے متعلق معلومات کو سن رہے تھے جبکہ کچھ اپنی نوٹ بوک میں انہیں باقاعدگی سے لکھ بھی رہے تھے جن میں سے ایک مرسل یوسفزئی بھی تھا۔

وہ کلاس میں آج دیر سے پہنچا تھا مگر لائق اور ایکٹو سٹوڈنٹ ہونے کے باعث اسکی غلطی معاف کردی گئی تھی۔

اسکی سیاہ ذہین آنکھیں کتاب پر ثبت تھیں گردن گرا کر لکھنے کی وجہ سے گھنگھرالے بال بکھرے بکھرے لگ رہے تھے چہرے پر بشاشت قائم تھی۔

"وہ اب والے مرسل سے کافی مختلف تھا اسکی آنکھوں میں تمہیں مختلف رنگوں سے آباد جہاں نظر آئے گا چہرے پر دنیا فتح کر لینے کی امید رقم ملے گئی۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے سٹوڈنٹس ٹیچر کے ہمراہ بیگز اٹھائے لیب سے نکلتے جا رہے تھے جن میں سب سے آگے مرسل تھا یکبارگی سے وہ رکا اور بیگ کے اندر جھانک کر دیکھا وہاں اسکی بھورے کوروالی ڈائری نہیں تھی چہرے پر پریشانی کی سلوٹیں ابھری انہی قدموں پر مڑتے وہ واپس لیب کے اندر پہنچا ہی تھا کہ سامنے کا منظر دیکھ اسکی آنکھیں عامیانہ ہوئی تھیں۔

ایکدم سے اسکا زوردار ٹکراؤ ہوا جو مرسل کو کھینچ کر واپس حال میں لے آیا سامنے والا لڑکا معذرت کرتا چلا گیا اسنے مڑ کے دیکھا وہ آدھے زینے پار کر آیا تھا یوں لگتا تھا زندگی کی آدھی مسافت طے کر آیا ہو اسنے گہری سانس بھری اور

....

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

کیمسٹری لیب کی مخصوص فضا میں اسنے ایکبار پھر قدم رکھا تو چند منٹ پہلے کے منظر سے وہ منظر اسے بے حد مختلف اور وحشیانہ لگا تھا لیب میں کچھ لڑکے موجود تھے وہ اسی کی کلاس کے اوباش لڑکے تھے دو ایسے تھے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا ان میں سے دو کے ہاتھ میں سگریٹ اور تیسرا ایک کی بازو میں سرنج انجیکٹ کر رہا تھا۔

قدم زنجیر ہوئے دل خوف اور تجسس سے دھڑکا تھا اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا لڑکوں نے آنے والے کو کوفت سے گھورا تھا مرسل سینے میں خوف سے دھڑکتے دل کو سنبھالتا مزید کچھ قدم آگے آیا ٹیبل کے ایک کونے پر اسے اپنی ڈائری رکھی ملی۔

NOVEL HUT

وہ بس وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا فرسٹ ائیر کا سٹوڈنٹ جانتا تھا وہ لڑکا کیا چیز اپنے دوست کی بازو میں انجیکٹ کر رہا ہے مگر وہ ٹھہرا صدا کا بزدل اور کمزور اسنے وہاں سے نکل جانا بہتر سمجھا تھا مگر اس ڈائری کے بغیر..؟

بھوری ڈائری اسکی کُل متاع تھی" مرسل نے جانے کی بجائے ٹیبل کی طرف" مڑتے ڈائری اٹھائی ابھی وہ مڑتا ان میں سے ایک لڑکا جو اس سے قد میں کافی اونچا اور جسامت میں بھلا تھا راستے کا روڑا بن گیا۔ (جسے تم زندگی کی کبھی نا (ختم ہونے والی آزمائش کہہ سکتے ہو

مرسل کے حلق میں معدوم سی گلٹی ابھری اسنے خوف سے پھیلی آنکھوں سے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا جسکے پیچھے کھڑے لڑکوں نے لیب کا دروازا بند کر دیا تھا۔

کہاں جا رہے ہو مرسل ہمارے ساتھ سگریٹ نہیں پیئو گئے..؟

نہیں میں..میں نے کچھ نہیں دیکھا مجھے جانے دو میں سگریٹ نہیں پیتا میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا میرا یقین کرو۔ ہکلاتا لہجہ، مرسل مرے مرے قدم پیچھے لینے لگا۔

میں سگریٹ نہیں پیتا پلیز مجھے جانے دو وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

مگر وہ کہاں سن رہے تھے آدھے ادھورے نشے میں دھت تین نوجوان اسکی طرف بڑھے تھے اسے مضبوطی سے پکڑتے ایک نے جلی ہوئی سگریٹ اسکے چہرے کے قریب کی تھی اور پھر ہونٹوں کے قریب۔ مرسل کی گردن نفی میں ہل رہی تھی۔

اسنے پوری قوت سے ہاتھ چھڑایا اور اپنے ہونٹوں میں دبی سگریٹ کو کھینچ کر باہر نکالا بری طرح کھانسنے لگا۔یہاں تک کے اسکا حلق خشک ہو گیا ہونٹ سوکھ گئے تھے۔

تم تو بہت کمزور ہو اچھا جاؤ مگر کسی کو بتانا نہیں ہم یہاں سگریٹ پی رہے تھے۔ پہلے لڑکے نے زور زور سے ہانپتے مرسل کی پیٹھ تھپتھپائی اور اسے جانے کا راستہ دیا۔

مرسل اتنی جلدی رہائی پر مشتعل سا ڈائری لیتا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا پیچھے کھڑے وہ لڑکے مسکرائے تھے۔

مسکراہٹ مبہم مگر فتنہ گر تھی جو اسکی باقی زندگی کو تباہ کرنے کیلئے کافی تھی۔

وہ واپس چلا آیا تو اسکے قدم بھی حال میں لوٹ آئے تھے مگر اسکا ذہن اور جلتی روح ماضی کے اس ورق میں ہی قید ہو کے رہ گئی تھی ارگرد شور ابھرنے لگا تو مرسل بھی سر جھکٹتا کلاس روم میں چلا گیا۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

سورج کی تیز شعائیں بارش کی طرح برس رہی تھی تو کہیں بادلوں کی آنکھ مچولی چل رہی تھی ایسے میں اسلام آباد کی وسیع لائیبریری کا رخ کرو تو تمہیں

لائیبریری کے نچلے حصے میں لگی کھڑکیوں کے کانچ سے سورج کی سنہری دھوپ اپنا سر پٹختی نظر آئے گئی جسے اندر جانے کا راستہ نہیں مل رہا تھا اس دو منزلہ عمارت کے اندر داخل ہو کر جلدی سے آٹومیٹک دروازے کو خودبند کرو تو دھوپ باہر ہی برا سا منہ بنائے پٹتی رہ گئی تھی۔

سامنے وہ ہال نما وسیع جگہ تاحدِ نگاہ کا مرکز بنتی ہے جہاں لکڑی کے شیلف قطاروں میں کھڑے نظر آتے ہیں انکے درمیان خالی جگہ، راہ گزرتے لوگ تھوڑی دوری پر مزید اوپن ایریا جس میں مزید بڑے بڑے شیلف جس میں رکھی طرح طرح کے موضوعات پر مشتمل نام نام کے رائٹرز کی کتابوں کا مجموعہ رکھا تمہیں ملے گا مگر پہلے حصے کی نسبت اس سائیڈ کی شیلفز دیوار سے لگی تھیں۔

اس ایریا کے وسط میں فاصلوں پر رکھے لمبے ڈیسک جسکے ارگرد لکڑی کی کرسیاں ہی کرسیاں تھیں وہاں سے واپس پہلے ہال کی طرف آؤ تو ریسیپشنٹ کی ایک کرسی کو سنبھالے بیٹھی سیاہ آنکھوں والی لڑکی جسکی سرمئی شرٹ پر

اوڑھی سرمئی چادر کے کندھے پر دائیں ڈھلکے کپڑے کے حصے پر بڑے ہندسوں میں لکھے اسکے نام "ہانی" کی نیم پلیٹ لگی تھی۔

سر پر سرمئی چادر درست تھی۔ یہ دن کا وہ وقت تھا جب لائیبریری میں کتابوں کے شوقین کم ہی تمہیں نظر آئیں گئیں جبکہ نکلتا سورج اور ڈھلتی شام لائیبریری کو پر رونق بناتی تھی۔

ہانی آج بھی معمول کی طرح اپنی آدھ پڑھی کتاب کو لیے ساتھ بیٹھی دوسری لڑکی کو اشارہ کیے ہال کی طرف نکل آئی کونے میں رکھی چیئر گھسیٹی اور کتاب سامنے رکھے اسنے سکون کی سانس خارج کی۔ اسکے مطابق اچھی کتاب پُرسکون ماحول ڈیزور کرتی تھی تاکہ وہ خود کو کہانی کا حصہ بنا سکے۔

کتاب کھلی اور وہ دوسری دنیا کے داخلی دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ اسے کتاب کے صفحوں پر سایہ منڈلاتا دکھائی دیا ہانی نے سر اٹھا کے دیکھا سامنے حجاب میں سر ڈھانپے اٹھارہ برس کی مناسب نقوش والی لڑکی مضطرب سی

کھڑی تھی اسکے بدن پر لگے پرفیوم کی تیز خوشبو ہانی کو اپنے ارگرد پھیلتی محسوس ہوئی۔ ہانی نے اسے دیکھا یہ وہی تھی جسکا اس لائیبریری سے تعلق قبل مہینے پہلے جڑا تھا اسکی بہترین یاداشت کی خاصیت تھی لائیبریری کی کتابوں سمیت کتابیں پڑھنے والے بھی اسکے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

یہ منظر ایک بڑے سے جم روم کا تھا جس میں طرح طرح کی ورزشی مشینریاں رکھی ہوئی تھی اینٹرنس پر لگے سیاہ شیشے والے دروازے اس وقت بند تھے اندر داخل ہو تو جسم میں ٹھنڈک ایک عجیب سی لہر سرائیت کرتی گزرتی ہے جو کہ اس روم میں لگے تین ائیر کنڈیشنر اے سی کے باعث تھی دیواروں کے ساتھ رکھی وہ مشینیں اچھی حالت میں نظر آتی تھی۔

سفید بلب دن کا سماں تھے اس وقت وہ روم خالی تھا سوائے فرش پر بچھے نیوی بلو کلر کے موٹے قالین پر بیٹھا وہ شرٹ لیس انسان جسکے ہاتھ میں موبائل

تھا اور چہرے پر زردیاں گھلی ہوئیں تھیں اسکی انگلیاں موبائل سکرین پر رینگ رہی تھیں۔

دروازا ہلکا سا نوک ہوا۔ "سر مقابلہ شروع ہونے والا ہے" ہیلپر نے آ کے اطلاع دی اور چلا گیا۔ اسے کوفت سی ہونے لگی۔

وہ یونہی بیٹھے بیٹھے اضطراب سے پلٹا۔ چہرے کے نقوش واضح ہوئے صاف رنگت اور تیکھے نقوش، اس وقت پسینے سے ترحلیے میں بھی جاذب لگ رہا تھا سیاہ بال ماتھے پر ڈھلکے تھے سرمئی آنکھیں بلا تاثر تھی تراشیدہ ڈاڑھی اور کھڑی ناک جس پر سیاہ رنگ کے کٹ کا نشان واضح تھا دو انگلیوں سے ماتھا مسلتے اسنے کال ملائی ماتھے پر سلوٹیں یک بار پڑ رہی تھیں۔

تراب سر میچ بس سٹارٹ ہونے والا ہے آکاش سر آپ کا انتظار کر رہے ہیں" ہیلپر مؤدبانہ انداز میں ایکبار پھر سیاہ دروازا کھولے کھڑا بول رہا تھا۔

تراب جو پیٹھ کیے کھڑا تھا جنونی بنا نمبر ڈائل کرتا رہا مگر کال کے بار بار ڈکلائن ہونے کی وجہ سے اسکا چہرا سرخ پڑ رہا تھا بلا شبہ وہ شدید غصے میں تھا۔

تراب سر کوئی پریشانی ہے..؟ اب کے وہ اٹھ کھڑا ہوا مگر جواب نہیں دیا۔ دو انگلیاں ہنوز ماتھا مسل رہی تھیں شاید اسے سر درد تھا۔

.سر آپ کے سر میں درد ہے کیا میں سر کو بلاؤں..؟ وہ پھر سے بولا

اب کے تراب پلٹا اور پوری وقت سے اپنا موبائل سامنے کھڑے لڑکے کی دائیں سائیڈ میں دیوار پر پٹخ دیا۔ زوردار آواز اور موبائل دیوار سے لگ کے قالین پر گر گیا۔

کیا تراب سر، تراب سر دیکھ نہیں رہے میں مصروف ہوں کیا اندھے ہو گئے ہو جواب نہیں دے رہا تو دفع کیوں نہیں ہو جاتے یہاں کھڑے کیوں میرا دماغ گھوما رہے ہو۔ وہ بولنے پر آیا تو بھاری رعبدار آواز میں ایسا دھاڑا کہ ہیلپر

دروازے سے لگا تھر تھر کانپنے لگا۔ آکاش بھاگتا ہوا اس طرف آیا گویا بپھرے شیر کو پر سکون کرنے آیا ہو۔

سر میں نے کچھ نہیں کیا۔ ہیلپر پھنسی آواز میں منمنایا۔

تم جاؤ اسے وہاں سے بھیجتے وہ تراب کی طرف آیا جو سرخ چہرے اور آنکھوں میں دبا دبا غصہ لیے ہانپ رہا تھا۔ دو انگلیاں اب بھی ماتھا مسل رہی تھی۔

♦♦•••♦♦♦♦•••♦♦

زینب...ہانی نے بک ایشو کرواتے وقت کارڈ پر لکھے نام کو زیرِ لب بڑبڑایا۔ وہ تھکی سی لگتی تھی "ہانی نے کتاب بند کردی گویا بہترین کتاب کو بلا وجہ کھول کے رکھنا اسکے نزدیک کتاب کی بے ادبی تھی۔"

میں تھک گئی ہوں میرے کچھ سوال ہیں جسکے جواب مجھے نہیں مل رہے۔ وہ ایسی ہی تھی منٹوں میں گھل مل جانے والی۔

ہانی خاموش سی اسکے دوسری بار ایسے رویے پر سپاٹ سی بیٹھی رہی جیسے اسکے کام میں کتابیں پڑھنے کے علاوہ کتابوں کو پڑھنے والوں کو سننا بھی شامل تھا۔

اسکے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھی زینب نے اضطراب سے اسے دیکھتے "کسی مستقل کیے گناہ کو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں.؟" پوچھا۔

سیاہ آنکھوں والی نے "اللہ کا خوف دل میں آباد رکھ کے" مختصراً کہا۔ زینب لب کاٹتی رہی جیسے یہ جواب اسے معقول نا لگا ہو شاید وہ وضاحت چاہتی تھی۔ ہانی نے کہنا شروع کیا۔

گناہ نیا، پرانا یا مستقل نہیں ہوتا گناہ صرف گناہ کے زمرے میں آتے ہیں یہ بس کبیرہ اور صغیرہ کی پکار میں مختلف لگتے ہیں تمام گناہ ایک جیسے ہوتے ہیں اور انہیں چھوڑنے کیلئے اللہ کو اپنانا ہوتا ہے کیونکہ گناہ اسی دل میں بسیرا ڈالتے ہیں جن میں اللہ نہیں بستا۔ سیاہ آنکھیں لبوں سمیت اب خاموش تھی۔

سفید حجاب والی لڑکی نے ارگرد نظر ڈورائی صفحوں کی مہک، رنگ برنگے لوگ، سورج کی شعائیں وہاں سب تھا سوائے اسکی ذات اور چہرے پر سکون کے"۔

ہم اللہ کو دل میں بسا لیں تو گناہوں سے پیچھا چھڑا سکتے ہیں..؟ آواز میں لغزش تھی۔ "میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ ہانی کا چہرا اب بھی سپاٹ تھا"حجاب والی لڑکی کے چہرے پر مستعجاب بکھرا آنکھوں میں افسردگی پھیلی۔

گناہ کو چھوڑ کر جب ہم اللہ کی طرف لوٹتے ہیں تو وہ ہمارا پہلا قدم ہوتا ہے اسکے بعد ہماری اصل آزمائش شروع ہوتی ہے۔

زینب کا چہرا سوالیہ ہوتا جا رہا تھا وہ بے حد بے چین لگتی تھی۔

ہانی نے کہنا شروع کیا تھا گناہوں کی آزمائش ایسی ہوتی ہے جب ہم کسی گناہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس گناہ سے متعلقہ چیزیں ہمارے ارگرد منڈلانے لگتی ہیں گویا اس گناہ کو ہمارے ساتھ بیٹھا دیا جاتا ہے ایسے ہماری

آزمائش شروع ہوتی ہے اللہ ہمیں امتحان میں ڈال کے دیکھتے ہیں ہم اس گناہ کے ساتھ بیٹھ کر مضبوطی اور مستقل مزاجی سے اسے رد کرتے رہے گئیں یا دوبارہ اپنے نفس کی خواہش کی خاطر اس طرف لوٹ جائیں گئیں۔

مگر میں تو اس گناہ کی طرف نہیں لوٹی پھر مجھے میرا سکون واپس کیوں نہیں مل رہا..؟ وہ میکانکی انداز میں بولی۔

میں نے...میں نے حجاب لینا شروع کر دیا نمازیں پڑھنی شروع کی۔ اُنگلیاں چٹخاتی زینب بولتی رہی۔ میں...میں فحاش مواد دیکھتی تھی گانے سنتی تھی اسکی آواز دھیمی اور سر جھکتا چلا گیا۔وہ پشیمان لگتی تھی۔

میں آج بھی جب...موبائل کھولتی ہوں تو دیگر ویب سائیٹس پر وہی چیز مجھے نظر آتی ہے مگر میں مضبوط بنی وہ ویب بند کر دیتی ہوں میں نہیں دیکھتی اب وہ چیزیں۔ اسکے لہجے کی دل چیرتی بے بسی چابک جیسی تھی مگر سامنے بیٹھی سیاہ آنکھوں والی شاید پتھر ہی تھی جو جوں کی توں ہوئے بغیر سن رہی تھی

میں اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہوں مگر مجھے اللہ کیوں نہیں مل رہا..؟ اب کے اسنے سر اٹھا کے ہانی کو دیکھا بے بسی سے چور دو آنسو ٹوٹ کے اسکے بند انگلیوں کے ہاتھوں پر گرے تھے وہ سسکی دباتی گردن مزید جھکا گئی زینب نے حجاب سے آنسو صاف کیے ہانی نے گہری سانس بھری اسکے لئے مشکل نہیں تھا۔ ہاں اسکے لئے بلکل بھی مشکل نہیں تھا۔ مگر کیا..؟

زینب نے اسے "آپ کے پاس بھی جواب نہیں ہے" والی نظروں سے دیکھا۔ ہانی نے سمجھتے سر نفی میں ہلایا اور کہا۔

آزمائش کو اگر نمائش بنا دیا جائے تو لوگ فقیر سمجھ کے کچھ لفظ طنز، ہمدردی کے جھولی میں پھینک دیتے ہیں ویسے ہی اگر محبت کو نمائش بنا دو تو جھولی میں بے سکونی کے علاوہ کچھ نہیں بچتا۔ تم نے اللہ کی محبت کو نمائش بنا دیا ہے وہ استحکام سے موزوں لہجے میں بولی چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

تم نے اللہ کی محبت میں سر ڈھانپنا شروع کیا مگر تم نے اپنے لمبے بالوں کی نمائش نہیں چھوڑی جیسے کہ تم اپنی انسٹاگرام پر کبھی کبھار بنا حجاب کے تصویریں پوسٹ کرتی رہتی ہو۔ زینب کو فضا ثقیل ہوتی محسوس ہوئی۔

تم نے خود کو آدھا ڈھانپا تو سہی مگر تم نے پرفیوم لگا کر خود کی نمائش کی اسے لگا کر تم نے گویا نا محرم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے تم نے سر تو ڈھانپ لیا مگر اپنے وجود پر تنگ کپڑے ڈال کر تم نے ایکبار پھر خود کو نمائش کا سامان بنایا ہے۔ وہ ذہنی خلفشار میں بتلا تھی۔ ہانی بند کتاب کو دیکھتی کہتی گئی۔

تمہیں چاہئیے تھا تم وہ اپس موبائل سے ڈیلیٹ کر دیتی ہمیں خود تک آنے والوں گناہوں کے راستوں میں خود ہی روڑے اٹکانے ہوتے ہیں کوئی دوسرا تیسرا ہمارے لیے یہ نہیں کرتا زینب اپنے نفس سے لڑائی انسان صرف خود جیت سکتا ہے کوئی دوسرا تمہاری یہ جنگ اگر لڑے گا تو ہار جائے گا۔

تم نے دین کو اپنانے کی کوشش کی مگر آدھے ادھورے دین کو اپنا کر تم سکون کبھی حاصل نہیں کر سکتی اللہ کی محبت چاہئیے تو اللہ کی تخلیق کی حفاظت کرنا سیکھو۔ اللہ کی تخلیق ہم انسان ہیں جنہیں اللہ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا

ہے جیسے آدھا علم نقصان کا باعث ہوتا ہے ویسے ہی آدھا دین بے سکونی بنتا ہے۔

اگر اللہ کی محبت چاہئیے تو خود سے محبت کرو تمہیں اللہ مل جائے گا اگر سکون چاہئیے تو خود کی حفاظت کرو کیونکہ وہ پوشیدہ شے پر کبھی بری نظر نہیں پڑنے دیتا۔

اسکے ماتھے پر پھسلتے ننھے پسینے کے قطرے اب تھوڑی تک آ گئے تھے اسنے تکان مگر شکرن والی نظروں سے سامنے بیٹھی لائبریرین کو دیکھا۔ سیاہ آنکھوں نے بنا کسی تاثر کے اسے دیکھا اور وہاں سے یوں اٹھ آئی جیسے قبل از کوئی بات ہی نا ہوئی ہو۔میں نے کہا تھا ناں اسکے لئے مشکل نہیں تھا وہ دوسروں کے مسائل سکنٹوں میں حل کر سکتی تھی۔

موبائل تھر تھرایا۔ ہانی کے اٹھتے قدموں سمیت دل کی دھڑکنیں تک ساکت ہو گئی تھی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

کیا مسئلہ ہے کیوں ہائیپر ہو رہے ہو..؟ اسنے ازلی سخت لہجے میں استفسار کیا۔
مرسل ٹھیک نہیں ہے آکاش اسے کچھ ہوا ہے اور گھر پر بھی کوئی میری کال نہیں اٹھا رہا۔ وہ کرب زدہ تھا۔
کوئی بھی اسکی حالت کے پیشِ نظر کہہ سکتا تھا مرسل نامی لڑکے میں اسکی جان بستی ہے۔
تم فکر نہیں کرو میں کال کرتا ہوں۔ آکاش نے نمبر ڈائل کرتے فون اسپیکر پر ڈال دیا۔ تراب کے ہر پہلو سے بے چینی جھلک رہی تھی۔
ہیلو کال کیوں کی ہے جلدی بولو۔ سامنے والا مارے بندھے بولا لہجے میں کج خلقی کا عنصر تھا۔
اسلام علیکم الطاف انکل وہ پوچھنا تھا مرسل ٹھیک ہے..؟ وہ بھی مدعے پر آیا البتہ تراب کا چہرا سپاٹ در سپاٹ تھا۔
میرے بیٹے کی خیر و عافیت کی فکر کرنے والے اپنے دوست سے کہو اگر اتنی ہی پرواہ ہے میرے بیٹے کی تو گھر آجائے معلوم کرنے۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولتے کال کٹ کر گئے۔ آہ یہ کٹھور الطاف انکل دونوں منہ بسور کے رہ گئے۔

افففف یہ اینگری مین۔ آکاش بڑبڑایا تراب نے تیکھی نظر سے اسے گھورا تھا۔
"اینگری اولڈ مین" اسنے تصحیح کی تو دونوں کا قہقہہ بلند ہوا۔
اب کیا کرنا ہے مرسل کی خیریت کیسے معلوم کریں..؟
وہ ٹھیک ہے چلو مقابلے کی تیاری شروع کرو۔ وہ پُرسکون تھا
تمہیں کیسے معلوم ہوا..؟ دوسرا حیرت زدہ تھا۔
اگر مرسل کو کچھ ہوا ہوتا تو وہ اپنی ساری بھڑاس ایک طرف رکھ کے مجھے"
بتاتے آخر کو انہیں اپنے بیٹے سے شدید محبت جو ہے" سادہ سپاٹ لہجہ مگر
آکاش کو کچھ چبھا سا تھا۔
آج کا میچ کافی ٹف تھا وہ جو تم سے لڑنے آیا تھا سب کہہ رہے تھے لاہور کا
چیمپئن ہے اسے کوئی نہیں ہرا سکا تھا مگر تم نے آج اسے ہرا کے مزید فیم
حاصل کر لی ہے تراب۔ ہینڈ گلوز اور ماوتھ پیس ایک سائیڈ پر رکھتے وہ سرسری
سا سن رہا تھا۔
وہ دونوں کچھ دیر پہلے ہوئے میچ کے بابت بات کر رہے تھے۔

نظر ٹوٹے موبائل کی آدھی سیاہ زدہ سکرین پر جمی تھی جہاں صرف ٹائم کے اور وال پیپر پر لگی تصویر میں جھلکتی ان سیاہ آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

آکاش خوشی سے مزید بول رہا تھا۔۔تم واقعی ایک مضبوط انسان ہو "کوچ ہونے کے ناطے وہ ہر لڑائی کے بعد اسکی یونہی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا یہ جانتے ہوئے اس شخص پر لفظ اثر نہیں کرتے" میں آج بھی کہوں گا تم نے باکسنگ جوائن کر کے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ لیا ہے۔

سیاہ ٹریکنگ سوٹ میں ملبوس تراب اٹھا ہاتھ میں ہینڈ ورپیز پہنتا وہ اسکی طرف مڑا۔ "میں طاقتور نہیں ہوں میرے اندر دفن ہوا غصہ مجھے لڑنے کی طاقت دیتا ہے" میں اپنا غصہ لوگوں پر نکالنے کیلئے باکسنگ کرتا ہوں یہ میرا پیشن نہیں ہے۔

تم تو جانتے ہو مجھے کتنا غصہ آتا ہے اگر میں بوکسنگ جوائن نا کرتا تو ابھی میں اسلام آباد کا سب سے جانا مانا سڑک چھاپ گنڈہ ہوتا۔وہ سنجیدگی سے مگر دھیمے

لہجے میں کہہ رہا تھا ہر لڑائی کے بعد اسکا چہرا ہمیشہ کی طرح آج بھی سپاٹ، سنجیدہ تھا۔ اسنے ٹیبل پر دھرا موبائل اٹھایا۔

میرا موبائل ٹھیک کروا کے بھیج دینا اور اپنا لے جانا۔

آخر کب تک تمہارے غصے میں کئے نقصان میں بھرتا رہوں گا..؟

جب تک یہ سر درد رہے گا۔ چوڑی جسامت والا شخص بھاری قدم اٹھاتا لاپرواہی سے بولا تھا۔

ہاں ہاں جاؤ پانچ بج گئے ہیں کہیں دیدار سے رہ ہی نا جاؤ اینگری باکسر۔ آکاش کے لب و لہجے سے محبت کی بو آئی تھی جو کے فضا میں تحلیل ہونے سے پہلے ہی انعکاس کر گئی تھی۔

مگر کیوں..؟ محبت تو فضا میں اڑتے بادل کی ٹھنڈی چھاؤں جیسی ہوتی ہے پھر وہ انعکاس کیونکر ہو گئی تھی.؟

کیونکہ محبت کے متعلق اس سنجیدہ مرد کو سوچنا ایسا تھا جیسے تپتی دھوپ میں بارش ہونے لگے۔

"اور یہ معجزہِ عام تو نہیں ہے"

♦•••♦♦♦•••♦♦

یہ منظر آبادی سے دور سنسان جگہ کا تھا گرم ہوا کے تھپیڑے جسم سے ٹکراتے آگے نکل جاتے تھے درختوں کی کثیر تعداد تا حدِ نگاہ تک پھیلی تھی وہ سڑک جسکا ایک راہ آبادی کو جاتا تو دوسرا گھنے جنگل کی طرف۔ اس سنسان کچے راستے سے کچھ دوری پر جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھی ہلکے گلابی رنگ کے سادے سے جوڑے میں ملبوس وہ لڑکی جو لگ بھگ تیس اکتیس کی لگتی تھی کپڑے اس قدر میلے کچیلے لگ رہے تھے جیسے اسکے پاس صرف ایک وہی جوڑا ہو پہننے کو۔ سڑک جیسی سنسان نگاہیں لیے وہ اس راہ کو بے بسی سے تک رہی تھی۔ سر پر جوڑے کا ہم رنگ ڈوپٹہ اوڑھے زرد چہرے کو ڈھانپے ہوئے وہ شاید منتظر تھی کسی انسان کی یا شاید کسی امید کے جلتے دیے کی.؟

شام سر پر تھی رات تاک میں بیٹھی تھی ایسے میں وہ تن تنہا لڑکی بغیر کسی مرد کے اس سنسان سڑک پر بیٹھی بھوکے بھیڑیوں کیلئے دعوت کا ساماں تھی۔ اور یہ جملہ محض کسی لکھاری کی کہانی کی طرز پر نہیں تھا ایسا لکھنے پر مجھے اس معاشرے میں رہتے انسان کی کھال میں چھپے بھیڑیوں نے مجبور کیا ہے۔

گاڑی اس سنسان سڑک پر دھول اڑاتی منظر دھندلا کرتی آرہی تھی گاڑی کی رفتار اور رکتے وقت ٹائروں کے چڑچڑاہٹ سے یہ واضح ہوتا تھا اس گاڑی میں موجود شخص عجلت میں وہاں آیا تھا اور ساتھ ہی خاصے خراب موڈ میں بھی۔

مجھے یہاں بلانے کی ہمت بھی کیسے کی تم نے رویسہ۔۔میں نے تم پر ترس کھا کر تمہیں سر چھپانے کو جگہ دی تھی میں نے تمہاری مدد کی انسانیت کے واسطے اسلئے نہیں کہ تم میرے گلے کا طوق بن جاؤ۔ سیاہ آنکھیں، گھنگرالے بالوں والا سوٹ میں ملبوس وہ شخص گاڑی سے نکلتے سامنے کھڑی لڑکی پر دھاڑا تھا۔

زرد چہرے والی لڑکی جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر نکل آئی چہرا سہما ہوا، آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی چہرے پر حیرت اور دکھ کی آمیزش بھی تھی۔

اگر میرا شک غلط نہیں ہے تو آپ نے یقیناً وہ یو ایس بی کھول لی ہے۔ لہجے کی کاٹ اور اعتماد نے اسکے حلیے اور چہرے پر اَن دیکھا پردہ آن گرایا تھا وہ جتنی کمزور اور بے بس دیکھنے میں لگ رہی تھی اسکا مضبوط لہجہ اور پُر اعتماد کردار اسکے پہلے تاثر پر غلطاں ثابت ہوئے تھے۔

ہاں میں نے وہ یو ایس بی دیکھ لی ہے اور یہاں آتے وقت اسے کچڑے میں پھینک کر آرہا ہوں۔ رومیسہ کی آنکھوں میں جلتا آخری دیا بھی یکدم بجھ سا گیا وہ کچھ لمحے بت بنی اسے دیکھتی رہی پھر ہمت کرتے کسی کوشش میں اسنے لفظوں کے تال میل جوڑے تھے۔

دیکھئیے الطاف سر میں آپ سے زیادہ کی امید نہیں رکھ رہی میں صرف انصاف چاہتی ہوں۔ اور تم چاہتی ہو کہ میں یہ ثبوت اپنے نیوز چینل کی طرف سے منظرِ عام پر لاؤں اور تمہارے ملزم کو سزا دلوانے میں تمہاری مدد کروں۔ اس ترند جواب پر رومیسہ نے ذرا سی گردن اثبات میں ہلائی تھی۔

شام مزید ڈھل رہی تھی الطاف صاحب نے جھنجھلاتے گردن دائیں بائیں موڑی اور اسکے قریب ہوتے سفاک لہجے میں کہا تھا۔

یاں تو تم ایک نمبر کی بیوقوف عورت ہو یا پھر میں تمہیں بیوقوف نظر آتا ہوں رومیسہ تم جانتی ہو جس سے تم انتقام لینا چاہتی ہو وہ کون ہے.؟ کس قدر طاقتور ہستی ہے وہ اس وقت..؟

منٹوں میں جیل سے باہر ہو گا جیل جانے کی تو نوبت بھی نہیں آئے گئی اور وہ ذرا سے ثبوت کچھ تصویریں اور ویڈیوز اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ انکے ہر جملے کے ساتھ سامنے کھڑی لڑکی کے اندر زندگی جینے کی رمق ختم ہو رہی تھی۔

تم شکر ادا کرو کہ تمہاری جان بچ گئی ہے تمہیں یہاں سے دور چلے جانا چاہئیے ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے۔ وہ معمم لہجہ رویسہ کو انکا مطلب صاف صاف سمجھا چکا تھا۔

نارنجی شام انکے سروں سے آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔

وہ کافی دیر وہاں کھڑی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر ایک نظر سنسان جنگل نما راستے پر ڈالی اور دوسری نظر دنیا کی طرف جاتے راہ پر ڈالتے کچھ قدم پیچھے گئی تھی۔

نئی زندگی کی شروعات کی تجویز آپ اس عورت کو دیں جسکی محبت اس سے چھین لی گئی ہو اس عورت کو نہیں جو اپنے پیچھے اپنی بستی کو آگ لگا کر انتقام کی راہ پر نکلی ہو اور ایسی عورت آپ کی دنیا کو اسی زمین پر جہنم بنانے کی طاقت رکھتی ہے الطاف صاحب اور یاد رکھئیے گا میں اس انتقام کی راہ سے

واپس نہیں پلٹوں گئی چاہے پھر میری جان ہی کیوں نا چلی جائے۔ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی الطاف صاحب کا دل بوجھل ہونے لگا وہ آنکھوں میں ترحم لیے اسے دیکھتے وہاں سے پلٹے مگر جانتے تھے سامنے کھڑی عورت کو اسکی رحم بھری نظریں اب کوئی ہمدردی نہیں جتا رہی ہوں گئی۔

گاڑی دھول اڑاتی چلی گئی شہرِ رونق میں، شہرِ ہوس پرست میں۔

سب کی اپنی نظر، سب کی اپنی سوچ، ہر ایک کی اپنی رائے، ہر ایک کا اپنا فیصلہ۔

سنانے والے جا چکے تھے، سننے والے ساکت تھے۔

رات سر پر آن کھڑی ہوئی تھی پیچھے اگر کوئی زندگی کی جنگ میں تنہا رہ گیا تھا تو تھی وہ رویسہ نامی عورت جو کئی لمحے تھمے وقت کی طرح وہاں کھڑی رہی پھر وہ بھی پلٹ گئی۔

شہرِ وحشت میں، شہرِ خاموشاں میں، شہرِ وجود و عدم میں' جہاں سے کسی ذی روح کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا جہاں وہ اکیلی تھی جہاں وہ ماتم کرنے

والی تھی پھر خود کو مضبوط بنانے والی تھی اسے انتقام چاہئیے تھا اور اسے انتقام لینا آتا تھا۔

مگر ان قدموں کی آہٹ جو اسکے اٹھتے قدموں کے ساتھ ہواؤں کو اپنے آنے کا پتہ دیتی تھی اور اسکے رکنے کے ساتھ اس سناٹے میں اسکے اکیلے ہونے کی روداد سناتی تھی۔

کیا وہ وہاں اکیلی تھی جسے صرف انتقام چاہئیے تھا.؟

یاں پھر وہاں کوئی اور بھی تھا جسے اس انتقام کی کہانی کو آرزوئے ناصبور بنانے کی جلدی تھی..؟

ناجانے زندگی اب اس کہانی کا کیا انجام لکھنے والی تھی..؟

ہو سکتا تھا وہ انجام کسی نئی ابتداء کی آگہی ہو..؟

"..اور آگہی ہمیشہ بھیانک ثابت ہوئی ہے"

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

گاڑی کے دروازا بند ہونے کی آواز کانوں میں بجی تو وہ چند عرصے پہلے ہوئی اس مختصر سی مگر روح کو ہر دم جھنجھوڑنے والی گفتگو کے اثر سے باہر نکلے تھے۔

اسلام علیکم ڈیڈ...کندھے پر بیگ لٹکائے مرسل انکی طرف نم نظروں سے دیکھتے بولا تھا۔ موبائل میں مصروف الطاف صاحب صرف ہوو کہہ کر رہ گئے۔
وہ اسے اکیڈمی سے لینے آتے اور پھر گھر اسکے ساتھ ہی جاتے تھے گرین ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس مرسل شیشے کے پار دیکھ رہا تھا یونہی اسنے نظر گھمائی تھی کہ اپنے باپ کے ہاتھ میں پکڑے موبائل میں کھلی کال لاگ پر نظر ٹھہر گئی۔
دوسرے ان سیو نمبر پر رکتی نظر کے ساتھ دل بھی رک کر دھڑکا تھا مگر ڈیڈ دیکھ نا لیں اسنے نظر پھیر دی تھی مگر دل ہی دل میں ایک انجانی سی خوشی نے بھی پناہ لی تھی۔
کیا اسکی زندگی میں بھی ایسا کچھ نارمل سا ہو سکتا تھا جسے سوچ کے وہ خوش ہو سکتا..؟

NOVEL HUT

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

منظر بدلا ہوا تھا فضا میں چلتی ہوا میں سازش کی بو ہر سو پھیلی ہوئی تھی مغرب کی اذانوں نے سارے میں اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے ایسے میں وہ رعب سے تن کر کھڑی تین منزلہ عمارت جس کے ارگرد پھیلتا اندھیرا صرف سیاہ اترتی

رات کا نہیں تھا بلکہ ثقیل ہوا جو نئی سازشوں کے پیام سناتی اس سیاہ رات میں بھیانک انجام والی کہانی کی داستان بھی گڑھ رہی تھی۔

پہلی منزل کے داخلی دروازے سے اندر آؤ تو سازشی سناٹا تمہارا استقبال کرے گا سرخ ٹائلوں والا کھلا صحن جو کہ وسیع صحن تھا مگر خالی خالی لگتا تھا کیونکہ اس میں سبزے کے نام پر کسی جگہ گھاس تک نہیں تھی شاید اس منزل کے مالک کو نیچر سے خاصی محبت نہیں تھی۔

صحن کے ایک کونے میں لوہے کی سیڑھیاں کسی منزل کو پہنچتی نظر آتی وہاں سے کچھ قدم آگے آنے پر شیشے کا بڑا سا بند دروازا منہ چڑھا رہا تھا مگر اندھیرے میں پلر کی آڑ میں چھپ کر کھڑی لڑکی نے اپنے سر سے ڈوپٹہ سرکایا تھا گھنگھرالے بالوں کی لیٹیں جھولتی چہرے پر آن گری ملازمہ جو کچن میں جا رہی تھی اسے پہنچاتی دروازا کھول چکی تھی ان تین منزل والوں کے درمیان چل رہی سرد جنگ کی وابستگی کے باعث وہ سیدھا کچن میں چلی گئی تھی۔

گھنگھرالے بالوں والی لڑکی" (فرزانہ)ملازمہ جاتے زیرِ لب بڑبڑائی۔"

ذہن نے اسے گزرا وقت بلیک اینڈ وائٹ تھیم میں دیکھایا جو شاید اس ماضی کے قصے سے جڑی کڑواہٹ اور بدلے کی آگ کی وجہ سے ہوا تھا۔

جس میں وہ آج کی طرح کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی اور وہی سانولی رنگت اور بھوری آنکھوں والی لڑکی کسی آفت کی طرح وہاں آن ٹپکی تھی۔ وہ بہت کم ہی اپنی پھپھو کی طرف آتی تھی مگر جب آتی تھی تو وہاں کے لوگوں کا سکون غارت کر کے جاتی تھی۔

گھر میں مہمان آئے ہیں۔ سیاہ جوڑے والی لڑکی نے متلاشی نظروں سے پوچھا۔ فرزانہ جو لوازمات کی ٹرے جلدی میں تیار کر رہی تھی اسنے صرف ہاں کہا تھا۔

نور کی آنکھیں گویا چمک اٹھی لاونج سے آتی آوازیں اسکے کانوں میں پڑ رہی تھی اسنے جلدی جلدی ہاتھ چلاتے فرازنہ کو دھیمے پڑتے دیکھا۔

کیا ہوا...؟ مصنوعی معصومیت۔ میں بھول گئی کتنے مہمان آئے ہیں تم یہ چائے دیکھو میں فوراً سے مہمانوں کی گنتی کر کے آتی ہوں۔ وہ کہتی کچھ سنے بغیر چلی گئی۔

معصومیت شیطانیت میں بدلی نور نے کچن کے داخلی دروازے سے جھانکتے مطلوبہ ڈبہ ڈھونڈ کے کام ختم کیا ہاتھ جھاڑتے وہ فرازنہ کو آتے دیکھ باہر آگئی تھی۔

میں نے چائے چکھی چینی کم تھی تمہاری بیگم صاحبہ بہت میٹھی ہیں انہیں شیرینی والی چائے دیا کرو۔ اللہ جانے طنز تھا یا آگہی۔ وہ کہتی ہاتھ جھاڑ کے نکل گئی۔

مگر بعد میں وہ آگہی کسی عذاب سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی کیونکہ نور کے مطابق چائے میں چینی نہیں کالی مرچ کی کمی تھی۔

گھنگھرالے بالوں والی فتنہ" اس دن کو کوستی اسنے خود کی تصحیح کی کوفت میں" بتلا چہرا لیے چائے کو نظرِ کرم بخشنے کا سوچا تھا۔

نور یعقوب خان کو اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے کوئی بند دروازا نہیں روک سکتا۔ اترا کر کہتی وہ سیاہ چادر کا پلو سر پر ڈالے آگے آئی۔ شیشے کے اس پار کی دنیا اسے مسحور کن کرنے کا باعث بنی تھی شیشیوں کے گرد لگے قیمتی مہرون پردے ایکطرف اوپن کچن اور دوسری طرف اس لمبے ہال کی آخری دیوار پر

نسب بڑی ایل سی ڈی سٹنگ ایریا جو کے نہایت خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا آخری کونے میں سفید ماربل والے زینے پھیلانگتے وہ اس منزل کی رہائش گاہ میں پہنچی تھی۔

ڈیڑھ سال رشتے داروں کی طرف نا آؤ تو انکے گھر بھی کسی بھول بھلیاں سے کم نہیں لگتے۔ منہ میں بڑبڑاتی وہ اپنی سیاہ نظروں کے زاویے بدل رہی تھی۔

پڑاؤ آخری زینے کا تھا لائن میں بنے وہ پانچ کمرے جس میں سے تیسرے کی لائیٹس اون تھی کمرے سے باہر آتی سفید روشنی اور دبے لہجے میں باتیں کرنے کی تضحیک آمیز آوزیں۔

اسنے چند قدم لیے پھپھو (لاریب فاروقی)کی اطلاع آئی تھی دادی (عظمیٰ خاتون) نے اپنے بڑے بیٹے (یعقوب خان) اور اسکی بیوی (فاطمہ یعقوب)کو ضروری بابت کے سلسلے میں وہاں بلایا ہے۔

ایسی کونسی ضروری بات تھی جس کیلئے ڈیڑھ سال کے عرصے بعدیوں اچانک رات کے پہر اہم میٹنگ بٹھائی گئی تھی.؟

نور نے الجھن کا شکار ہوئے آدھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

اس میں بھائی صاحب کی بھلا کیا غلطی ہے اماں بیٹیوں کی اچھی تربیت تو ماں کی زمہ داری ہوتی ہے باپ تو بیچارا سارا دن بھوک پیاس کاٹ کے انکے لئے پیسہ کماتا تاکہ اچھی تعلیم دے سکے, اچھا کھلا اور پہنا سکے۔ کیوں فاطمہ بھابھی کیا میں صحیح نہیں کہہ رہی.؟ لہجہ ہتک آمیز تھا۔

پھپھو ایسے بات کیوں کر رہی ہیں ابو سے..؟ اور امی ہمارے حق میں کچھ بول کیوں نہیں رہی..؟ اسکے ذہن میں اس وقت کئی سوچیں رقص کر رہی تھیں دل بے ترتیب ہو رہا تھا۔

اسنے آگے کو ہوتے اپنے باپ کا چہرا دیکھا جسکی گردن ایسے جھکی ہوئی تھی جیسے کسی باغی بیٹی کے باپ کی جھکی ہوتی ہے۔ ندامت اور پشیمانی سے۔

کچھ تکلیف اور خوف کی آمیزش کے ساتھ۔

کہیں پھپھو میرا راز تو نہیں جان گئی..؟ نور کے دماغ نے یونہی وہ خیال پردے پر لہرا دیا تھا اور اسے لگا اسکی ٹانگیں اپنا ہی بوجھ مزید نہیں سنبھال پائیں گئیں۔

دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی ہاتھ پیر خوف سے کپکپائے تھے۔

مگر کیا تھا وہ راز جسکی آگہی میں ہی اتنی سکت تھی کہ نور یعقوب خان کے حواس لمحے میں مختل ہوئے تھے..؟

میری بیٹی ایسا کچھ نہیں کر سکتی کبھی کبھار آنکھوں دیکھا جھوٹ بھی ہوتا ہے یاں پری پلین سازش اور مجھے یقین ہے میری بیٹی کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ نور کے آنسو بھل بھل باہر آرہے تھے جانے سینے میں کیا دفن تھا جو اسے ڈھیروں آنسو بخش رہا تھا۔

امی میں آپ کو کبھی دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی کاش میں آپ کو ایکسپلین کر پاتی کہ میں سازش کا شکار نہیں ہوئی وہ سب میں نے سوچ سمجھ کے کیا تھا ،کاش میں ہانی آپی کی طرح بن پاتی۔ وہ روتے منمنائی

ماں اسکے جھوٹ کی پردہ پوشی کر رہی تھی اور مائیں ایسی ہی تو ہوتی ہیں بیٹیوں کو زمانے سے بچا کے رکھنے والی اور تنہائی میں نصیحت کرنے والی۔

تو آپ خود کیوں نہیں ہانی سے پوچھ لیتی بھابھی..؟ لاریب نے اپنی ماں کو دیکھتے کاٹ دار لہجے میں استفسار کیا۔

فاطمہ مغموم سی اپنے شوہر کو دیکھتی رہی جسنے سر یونہی گرائے رکھا مطلب صاف تھا اسکی نظر میں اپنی بیٹی ہی مجرم تھی۔

جبکہ دروازے کے پار کھڑی لڑکی کے آنسو خشک ہوئے تھے جسم کا درجہ حرارت ایکدم سے بڑھا تھا۔ وہ تو کسی تفریح کے ساماں میں یہاں آئی تھی کیا خبر تھی کچھ ایسا سن لے گئی جو اسکی رات کی نیندیں اور دن کے سکون کو برباد کر دے گا۔

کئی لمحے وہاں گفتگو جاری رہی۔

اس رات نے اسے بن بلائے مہمان کی طرح اس سازش کا حصہ دار ٹھہرا دیا تھا۔

♦♦•••♦♦♦♦•••♦♦

مغرب کی اذان کی آواز دھیمی پڑتی جا رہی تھی سبز گیٹ کے پار سفید بلب جل رہا تھا اس سفید روشنی کے احاطے میں گیٹ کے نوب پر ہاتھ جما کر سن کھڑی ہانی یعقوب مرجھائی سی لگ رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے اسنے آسمان میں گردن اٹھائی۔

خود کو بے قصور ثابت کرنے کی کٹھن جنگ میں انسان اکثر باغی بن جاتے ہیں۔
وہ خود کو آج ویسا ہی محسوس کر رہی تھی۔
خیر جب قدم اٹھا لیا تھا تو ہمت جٹانی تھی اسنے گہرا سانس بھرا خود کو نئی جنگ کیلئے تیار کرتے ہانی نے گھر کا سبز دروازا کھولے گھر میں قدم رکھا۔
مگر یہ کیا کوئی شور شرابا نہیں، کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔ سامنے ہی خالی ویران گھر اسکا منہ چڑھا رہا تھا اسنے پس منظر کچھ اور ہی سوچا تھا مگر وہاں کا ماحول بلکل الٹ تھا۔
سب کہاں چلے گئے تھے..؟ اسنے سوچتے بیگ صوفے پر رکھا کمروں میں جھانکتے اسکی متلاشی نگاہیں کسی اور کہانی کے انجام کو بھی کوستی نظر آرہی تھیں۔
بھلا کونسی کہانی..؟ کیسا انجام..؟
ماتھے پر سلوٹیں کم نہیں ہوئی تھی تبھی دبے قدموں کی آواز سنائی دی برآمدے میں ایک طرف بنے چھوٹے لاونج سے نکلتے وہ صحن میں داخل ہونے والے چھوٹے سے جالی نما دروازے پر آئی۔

نور جو صحن کے کونے میں لگی سیڑھیاں پھیلانگتی چھوٹی سی کیاری میں اتری تھی جو شاید بے دھیانی میں ہوا تھا ورنہ تو وہ سرخ ٹائل والی چھوٹی سی درمیانی روش سے بلیوں کی طرح اس طرف آتی تھی۔

نور کو دیکھتے آج پہلی بار اسے شدید غصہ آرہا تھا جبکہ نورہانی کو صبح والے حلیے میں بیزار سا وہی چھوڑے مردہ قدم لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ہانی کے چہرے پر اشتعال ابھرا وہ تیز قدم لیتی کمرے میں آئی سر سے چادر اتر چکی تھی سیاہ بالوں کا جوڑا بھی ڈھیلا ہو چکا تھا۔ نور نے اسکے سیاہ آنکھوں میں واضح پریشانی کو ہلکورے لیتا دیکھا مگر وہ سپاٹ بیٹھی رہی۔

یہ کہاں سے خریدی ہیں تم نے..؟بیڈ کی پائنتی پر بیٹھی لڑکی نے اپنے بیگ پر پڑی مہنگی چوکلیٹس کو دیکھتے "کالج کی کینٹین سے خریدا" سادگی سے بتایا تھا۔

مگر اسکا رندھا ہوا لہجہ ہانی سے مخفی نہیں رہا تھا اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتی، سوال کرتی نور جھٹکے سے اٹھی تھی اور واشروم میں جا بند ہوئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ دھلے دھلے چہرے اور نئے جوڑے میں ملبوس وہاں آئی۔ چھوٹی ٹیبل جسکے ارگرد چار کرسیاں رکھی تھی جہاں اسکے علاوہ باقی گھر والے خاموشی سے اپنا اپنا کھانا کھا رہے تھے۔

نور بھی انکے بیچ آ کے بیٹھی ہانی نے نظر اٹھا کے اسکے تھکن آلودہ چہرے کو دیکھا گھنگھرالے بال اب کیچر میں مقید تھے۔

ہانی ابھی نظریں گھماتی نور نے سوجھی آنکھیں اٹھائیں چاولوں میں ہلتے چمچ میں ویسی ہی حرکت رواں تھی مگر وہ کھا نہیں رہی تھی۔ بھوک تو ہانی کی بھی اڑ چکی تھی۔

بے چینی، اضطرابیت اسکے چہرے سے عیاں تھی وہ سوچ رہی تھی یعقوب صاحب نے اس سے سوال جواب نہیں کیے تھے اس سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ وہ انکے منع کرنے کے باوجود گھر سے باہر کیوں نکلی تھی کچھ غیر متوقع تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

ابو میں نے آپ سے کالج چینج کرنے کی بات کی تھی میں وہاں نہیں پڑھنا چاہتی۔ وہ جملہ ایکدم سے ان سب کی سماعتوں میں اترا تھا۔ ہانی کی جھکی

نظریں جھکی رہ گئیں فاطمہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا جنہوں نے ذرا دیر ہاتھ روک کے پھر کھانا شروع کر دیا تھا۔

ابو کیا آپ میرا ایڈمیشن کسی اچھے کالج میں کروا دیں گئیں.؟ نور کی موزوں آواز ایکبار پھر ابھری۔ سناٹا برقرار رہا۔ ہانی کی گردن جھکی رہی۔ فاطمہ نے نگاہ چورا لی تھی۔ ان سب کے اجنبی رویے پر نور کا دل کٹ سا گیا چہرا مزید بجھ گیا۔ البتہ ہانی کے رواں رواں میں بے چینی بھرتی جا رہی تھی وہ کڑے ضبط سے وہاں بیٹھی تھی۔

اس کالج میں کیا مسئلہ ہے.؟ "وہاں کے ٹیچرز نہیں اچھے اور... سٹوڈنٹس بھی" ذرا توقف کے بعد اسنے جملہ مکمل کیا۔

اسلام آباد کے اچھے کالجز میں سے ایک ہے وہ، حسنات بھی وہی پڑھ رہا ہے اپنی کلاس کا ٹاپر ہے... تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہاں پڑھائی اچھی نہیں ہے.؟

ان بڑھتے سوالوں اور جواب پر ہانی کا ضبط بھی جواب دے رہا تھا اسے لگا تھا بس کسی پل، کسی لمحے موضوعِ بحث وہ بن جائے گئی اسکی ذات سوالیہ نشان

بن جائے گئی پھر اسکی حقیقت بہن پر بھی کھل جائے گئی اور اسی لمحے سے ہانی یعقوب خان کی جان جاتی تھی۔

بات آپ کی بیٹی کی ہو رہی ہے ابو.... حسنات کی نہیں وہ ٹاپر ہے یا زیرو یہ میرا یا آپ کا مسئلہ نہیں ہونا چاہئیے۔ آپ کو اس وقت یہ بات سوچنی چاہئیے کہ وہ کالج آپ کی بیٹی کیلئے صحیح نہیں ہے وہاں لڑکیاں مجھے تنگ کرتی ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکی تھی کالج کی لڑکیوں کیلئے انکی بیٹی تفریح کا سماں بن چکی ہے۔

اسکے متوازن لہجے نے جہاں فاطمہ کو جھٹکا دیا وہی ہانی سر جھٹکتے وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

اسے موضوعِ بحث میں کردار نبھانے سے نفرت ہوتی تھی۔

یعقوب صاحب نے ہنکار بھرتے پہلی بیٹی کو جاتے دیکھا پھر نور پر کٹیلی نظر ڈال کر کہا۔ سارا دن موبائل استعمال کرو گئی اور سوتی رہو گئی تو خاک پڑھائی ہو گئی کتابیں کھولو گئی تو ہی کچھ پڑھ پاؤ گئی ناں، ٹیچرز اور کالج کا ماحول سب صحیح ہے تم ہی نالائق ہو جسکا پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔

اتنی بے عزتی پر نور نے ڈبڈبائی نظریں اٹھائیں یعقوب صاحب نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی انکے الفاظ نور کو خنجر کی طرح لگے ہیں وہ بس دل کی بھڑاس کہیں اور نکال کے جا چکے تھے۔

اپنے ابو کی بات کا برا نہیں ماننا نور وہ کچھ پریشان ہیں اسلئے زیادہ بول گئے ہیں۔ فاطمہ اسے اٹھتے دیکھ فوراً اپنے شوہر کے حق میں بولی تھیں کجا وہ نہیں چاہتی تھیں انکی بیٹیوں کا دل باپ سے برا ہو جائے۔

دنیا کی پریشانیوں میں بیٹیوں کا دل نہیں دکھاتے امی نا جانے یہ بات ابو کو کب سمجھ آئے گئی۔ گرتے آنسوؤں میں وہ رنجیدگی سے کہتی فاطمہ کو اداس چھوڑتی جا چکی تھی۔

♦♦•••♦♦♦♦•••♦♦

اسلام آباد کی سڑکوں سے اسکی گہری وابستگی تھی چڑھتے دن اور ڈھلتی رات میں ہر سفر میں وہ سڑکیں اسکی خاص ہمراہ رہی تھیں۔ معلوم ہے کیوں...؟

ماں کو لگتا ہے ایک لڑکی ہے جس سے مجھے محبت ہے۔

آکاش سمجھتا ہے میں کسی لڑکی کو دیکھنے کیلئے زور پانچ بجے کلب سے نکل جاتا ہوں۔ بلیک ہوڈی میں ملبوس شخص نا جانے کس سے زیرِ گفتگو تھا کیونکہ اسکے اردگرد کوئی ذی روح نظر نا آتا تھا شاید وہ ہواؤں سے زیرِ گفتگو تھا یا شاید ان طویل، تنہا راہوں سے۔ کیا اس شخص کے پاس انسان نہیں تھے جو وہ ہواؤں سے باتیں کرتا نظر اتا تھا.؟

عورت واجب المحبت ہو گئی مگر مجھے لگتا ہے کوئی بھی عورت میرے لئے کم ازکم واجب المحبت نہیں ہے میرے باپ نے جو میری ماں کے ساتھ کیا اس چیز سے جڑی نفرت اور غصے کی جڑیں آج بھی میرے اندر پختہ ہیں۔ وہ کچھ دیر خاموش ہوا جیسے کچھ سن رہا ہو پھر جھنجھلا کر گردن موڑی۔

میں وہاں روز اسے دیکھنے جاتا ہوں یہ سہی ہے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ کیا انسان کے اندر صرف محبت کا جذبہ ہوتا ہے..؟ اسنے اپنے ہی سوال پر بے ڈھنگا اور شیطانیت بھرا قہقہہ لگایا۔

تو پھر میں کیوں اس لڑکی کو دیکھنے جاتا ہوں..؟" سرمئی آنکھیں استفہامیہ ہوئی" تھیں۔

کیونکہ وہ لڑکی مجھے ہرگز نہیں پسند اور اس لڑکی کو روز دیکھ کر مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح سے میری ناپسندیدگی کے ہی قابل ہے۔ عجیب شخص تھا۔ ساتھ چلتی ہواؤں نے آنکھیں چڑھائی تھیں کالی سیاہ رات نے بھی ماتھا پیٹا تھا۔

جس انسان کی اپنی ذات شروع سے لوگوں کی ناپسندیدگی کے مرکز و محور میں رہی ہو انہیں پھر یہی احساس ہی تسکین دے سکتا ہے کہ کوئی ہے جو انکی ناپسندیدگی کے زمرے میں بھی آتا ہے۔ وہ مسرور کن احساس جو اس وقت سرمئی آنکھوں والا شخص محسوس کر رہا تھا۔

مگر ان ہواؤں کو سمجھ پھر بھی نہیں آیا تھا وہ شخص ان لوگوں کے قریب ہی کیونکر رہتا تھا بھلا جو اسکے ناپسندیدہ تھے..؟

یاں وہاں بھی کچھ بناوٹی تھا.؟

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

سیاہ رات مزید سیاہ ہو رہی تھی ہلال کی روشنی اس دوسرے مرحلہ پر واقع عمارت کے زینوں پر کسی شے کو چمکدار بنا رہی تھی عجیب سی روشنی جو خلا

میں چھن کر کے ٹوٹتی اور غائب ہو رہی تھی مزید قریب جا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا

ایک لڑکی جسکے گھنگھرالے بال اسکی پشت پر جھول رہے تھے اسکے جوڑے کے دامن پر لگے چھوٹے شیشوں پر ہلال کی روشنی جب پڑتی تو وہ چمکنے لگتے تھے وہ زینے پھیلانگ رہی تھی۔

مگر انتہائی سست روی سے نظریں سامنے، دماغ کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

ہانی ... کھانے کی ٹیبل سے برتن سمیٹ کر وہ اسکے کمرے میں آئی تھیں۔ کمرے کی چوکھٹ پر قدم رکھتے انہوں نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی۔ نور وہاں نہیں تھی۔ وہ کہاں ہو گئی انہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر اداسی میں خود کو تنہا کر لیتی تھی کاش وہ اپنی اداس بھری تنہائی کا ساتھی اپنی ماں کو بناتی انہوں نے اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے سوچا تھا۔

جی۔ ہانی کی مختصر پکار پر وہ اپنے خیالوں سے تصور میں لوٹی تو سامنے بیڈ پر لیپ ٹاپ رکھے بیٹھی بیٹی کو نرم نگاہوں سے دیکھا تھا جبکہ ہانی کی شکوہ کناں نگاہیں آج بھی انہیں سر جھکانے پر مجبور کر گئی تھیں۔

میں نور کو دیکھنے آئی تھی وہ تمہارے ابو کی باتوں کی وجہ سے اداس تھی۔ "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے امی۔ اسکی انگلیاں ہنوز لیپ ٹاپ اور آنکھیں سکرین پر جمی تھی قصداً وہ انہیں دیکھنا نہیں چاہ رہی تھی"

فاطمہ کا دل یکدم دکھ سے مزید بھاری ہو گیا۔

تم اسے دیکھ آؤ ہانی وہ تمہاری بات سنتی ہے۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی مگر چہرے اور لہجے میں جو بے بسی تھی الامان۔

اسکی ماں آپ ہیں امی آپ کو اسکا ہم راز بننا تھا مجھے نہیں۔ میرے لئے آپ کچھ نہیں کر سکی کم از کم اسکے حق میں تو آپ ابو سے بات کر سکتی ہیں...یا نہیں..؟ اسنے گردن اٹھائی آنکھوں میں ٹوٹے مان کی کرچیاں لبوں پر زخمی مسکراہٹ واللہ یہ لائیبریری والی ہانی قطع نہیں لگ رہی تھی اس روپ میں اور اب کی حالت کے زیرِ نگاہ وہ دو الگ انسان تھے۔ مگر کون سا انسان کیسا تھا کس کے پاس کیا دکھ تھا اور کون سا خوش تھا.؟

یہ شاید اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

فاطمہ کے لئے وہ جملے نئے تو نہیں تھے جہاں شوہر کی بے رخی اور تلخیاں اسکا خون جلایا کرتی تھی وہاں اب بیٹیوں سے ملے غم نے بھی شراکت حاصل کر لی تھی۔

وہ کچھ لمحے اسکے کرب زدہ چہرے کو محبت بھری نگاہوں میں ترحم اور آنسو لیے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی پلٹ گئی۔

مگر رکی، پلٹی نہیں۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکی تھی۔ مگر اسے اپنے ہونے کا احساس ضرور دلاؤں گئی ہانی۔ انکی آواز رندھی ہوئی تھی وہ رو رہی تھیں.؟

ماں رو رہی تھی...ہانی تڑپ کر رہ گئی اسے شل کیے وہ جا چکی تھیں۔ہانی خالی چوکھٹ دیکھتی رہ گئی۔

کاش آپ نے میرا یقین کیا ہوتا امی...ساری دنیا ہانی کے خلاف بولتی آپ میرا ساتھ دیتیں... غم کی شدت آج پھر تازہ ہوئی تھی وہ زاروقطار روتی رہی پھر یکدم نور کا خیال آیا وہ جوتے پہنتے اٹھی تھی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

دنیا میں بہت سے کام مشکل ہوتے ہیں ان سب میں پڑھائی بھی ایک مشکل ٹاسک ہے۔ سیاہ رات میں وہ چھت پر بیٹھی چاند کو تک رہی تھی پھر گردن جھٹک کر دائیں سائیڈ دیکھا۔

وہ کسی کو دیکھ رہی تھی۔

تمہیں معلوم ہے مجھ جیسے بچے پڑھائی میں اتنی محنت کسی اچھی ڈگری، نمبرز یا جوب کی خواہش میں نہیں کرتے ہمارا اصل مقصد اپنے والدین کو فخر محسوس کروانا ہوتا ہے کہ وہ خاندان میں فخر سے گردن تان کر کہہ سکیں کہ میرے بچے نے اتنے اچھے نمبرز حاصل کیے ہیں انکے چہرے پر وہ خوشی دیکھنا جو انہیں انکی اولاد دیتی ہے اور یہ کوشش صرف میں نہیں ہر بچہ کرتا ہے۔

اب وہ کسی کو سن رہی تھی بلکل خاموشی سے۔

اسنے پھر سے گردن جھٹکی اور رخ چاند کی طرف پھیر دیا۔

میں بھی ابو کے چہرے پر صرف وہی خوشی دیکھنا چاہتی تھی۔

آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔ مگر اس خاندانی رنجشوں اور منافقت بھرے رشتوں میں گھر کر انہوں نے اپنی سگی بیٹیوں کو بھلا دیا انکی کامیابیوں

کو نظر انداز کیا انہیں بلا وجہ کی تکلیفیں دیں۔ وہ کہہ کر چند ثانیے خاموش ہو گئی چہرا پتھریلا آنکھیں خشک وہ نور چند گھنٹے پہلے والی نور سے بہت مختلف تھی وہاں کچھ غیر انسانی تھا جو نہیں ہونا چاہئیے تھا۔

میرے دل سے پڑھائی کا شوق ختم کرنے والے واحد انسان میرے ابو ہیں کیونکہ وہ کسی حال میں مجھ سے خوش نہیں ہوتے۔

اسنے گردن موڑی ہلال کی روشنی نے اسکے ناراض چہرے کا طواف کیا وہ کسی سے مخاطب تھی جو اسے بغور سن رہا تھا اسکے تاثرات یہی بتاتے تھے۔

میں اپنی کلاس کی ٹاپر نہیں تھی میں محنت کر کے پاس ہونے والے بچوں میں سے ہوں مگر مجھے میری محنت کا صلہ نہیں ملا میری محنت کو سراہا نہیں گیا مجھے میرے کزنز کے ساتھ کمپئیر کیا جاتا ہے اور تمہیں معلوم ہے یہ سب مجھے کتنی تکلیف دیتا ہے؟ آنکھوں نے ایکبار پھر آنسو بہانے شروع کیے وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اچانک قدموں کی آہٹ سنائی دی مگر نور کے کان ان آہٹوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے تھے۔

میں صرف ابو کا فخر بننا چاہتی تھی کیا یہ غلط خواہش تھی مجھے لگا تھا ایسے وہ مجھ سے محبت کرنے لگیں گئیں مگر وہ کبھی کوئی خوشی شو ہی نہیں کرتے۔ وہ بچے جو اسکولز اور کالجز میں بلی ہوتے ہیں جو ہمیشہ کلاس میں پیچھے رہتے ہیں لوگوں کی نظروں سے خود کو چھپاتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ ان میں صلاحیت نہیں ہوتی منظرِ عام پر رہنے کی۔ ان میں کونفیڈینس کی کمی ہوتی ہے انہیں انکی ہی نظروں میں اس قدر گرا دیا جاتا ہے کہ وہ باقیوں کی نسبت خود کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں ایسے بچوں کو انکی اپنی ذات کا قیدی بنانے والے صرف انکے والدین ہوتے ہیں۔
غم نے غصے کی صورت اختیار کرلی تھی زینوں پر کھڑی ہانی دل گرفتگی سے وہ جملے سن رہی تھی اسکی بہن مایوس ہو رہی تھی زندگی سے اور شاید خود سے بھی۔
نور اس جیسی نڈر نہیں تھی وہ ڈرپوک تھی اپنے حق کی لڑائی زیادہ دیر نہیں لڑ پائے گئی اسے معلوم تھا اسلئے اب اسے ہی کچھ کرنا تھا مگر وہ کیا کر سکتی تھی وہ تو خود اس وقت وکٹم تھی ایک بھیانک حادثے کی۔

♦•••♦♦♦•••♦♦

کس سے بات کر رہی ہو نور... اسے مسلسل کسی سے باتیں کرتا محسوس کرتے ہانی چھت پر آگئی تھی اسے لگا وہ وہاں اکیلی تھی مگر ایسا اسے لگا تھا۔

دوست سے بات کر رہی ہوں آپ کیوں آئی ہیں یہاں.؟ دنیا سے روٹھی ہوئی اس معصوم سانولی لڑکی پر ہانی کو عود کا پیار آیا تھا۔

میں تمہیں ایک خوشخبری دینے آئی تھی... سننا نہیں چاہتی..؟ وہ ابھی بھی اسکے دائیں سائیڈ کھڑی تھی۔

ہم کل تمہارا نئے کالج میں ایڈمیشن کروانے جا رہے ہیں۔ اسکے جواب نا دینے پر ہانی نے خود ہی سے بتا دیا نور کے چہرے پر ایکدم سے والہانہ خوشی جھلکی آنکھیں مدھم روشنی میں بھی جگمگا اٹھی تھی۔ آپ مذاق تو نہیں کر رہی۔۔ ابو مان گئے مگر کیسے.؟ آخری جملے پر ہانی کی مسکراہٹ تھم جاتی مگر خود کو کمپوزڈ رکھنا اسے خوب آتا تھا اسی مصنوعی مسکراہٹ میں اسنے مزید تسلی کے چند جملے اس سے کہے تھے۔ نور کو جیسے نئی خوشی بخش دی تھی۔

اب جلدی سے نیچے آجاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔ ہانی اسکی آنکھوں سے پھوٹتی روشنیوں سے نظریں چراتی وہاں سے پلٹ آئی تھی۔

وعدہ تو کر آئی تھی اب وعدہ نبھانے کی ہمت بھی مل جائے تو کیا ہی بات تھی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

کمرے کا دروازا کھولتے اسنے لائیٹس اون کی اکیڈمی سے واپسی پر اسنے جوش سے گھر میں قدم رکھا تھا آنکھوں میں امید کا جلتا دیا لئے کہ سامنے وہ ہستی موجود ہو گئی جسے دیکھنے کو اسکی آنکھیں ترس رہی ہیں مگر امید کا دیا بجھ گیا جب اسکی پیاسی نظریں پیاسی ہی لوٹ آئیں۔

ڈنر سے فارغ ہو کر وہ ابھی کمرے میں پہنچا تھا سب سے پہلے جو کام اسنے کیا وہ چارجنگ پوائنٹ سے موبائل نکال کر واٹس ایپ، کال لاگ اور میسجز چیک کرنے کا تھا مگر وہاں اس مطلوبہ نام کا کوئی پیغام نہیں تھا۔

کوئی بھی مرسل یوسفزئی کی پہلی پکار پر اسکے پاس کیوں نہیں آتا تھا.؟ کیا اسکا" وجود اس قدر گراں تھا ان سب کیلئے.؟

خیر ہمیشہ کی طرح اسنے آج بھی اپنی انا اور وقار کو روند کر غیر اہم ہونے کا احساس دلائے جانے کے باوجود کال ملائی تھی۔

کال جاتی رہی مقابل ریسیو نہیں کر رہا تھا تیسری رنگ پر ریسیو ہوئی۔ ہیلو۔
قدرے جھنجھلاہٹ اور کوفت میں بتلا آواز۔
اٹھارہ سالہ مرسل کا دل زخمی زخمی ہوا۔ کوئی اسے محبت سے کیوں نہیں پکارتا تھا..؟ کیا وہ اتنا بُرا تھا..؟
بب..بھائی آپ...آئے نہیں.؟ رسمی سلام دعا شاید وہاں کسی ایسے جملے کی ضرورت نہیں تھی یا شاید اسے خوف تھا اگر وہ ان باتوں میں ملوث ہوا تو مقابل کال کٹ کر دے گا۔ افففف یہ کسی انسان کی محبت میں بتلا ہونے والے انسان کی بے بسی..!
میں اتنا فارغ نہیں ہوں مرسل کہ جب تمہارا دل کرے تم مجھے بلاؤ اور میں آجاؤں۔ مصروف تھا جب فری وقت ملے گا آجاؤں گا۔ کیا تمہیں کوئی ضروری بات کرنی تھی.؟آخر میں لہجہ استہفامیہ ہوا۔ مرسل نے رخسار پر بہتے خاموش آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا پھر ایک نظر اپنے میٹرس کے اس حصے پر ڈالی جہاں ایک نیا خوف دفن تھا۔

نہیں کوئی بات نہیں تھی آپ کی بس یاد آرہی تھی۔ اسنے خود کو سنبھالتے دبی دبی آواز میں وہ جملہ ادا کیا۔ مقابل سے اللہ حافظ سنتے اسکا موبائل والا ہاتھ نیچے لڑکھ گیا۔

اللہ حافظ۔ وہ لفظ اسکے کانوں میں گونجا۔ وہ پوچھ بھی تو سکتا تھا ایکبار پوچھ لیتا کیا اسے اپنے بھائی کے بناوٹی لب و لہجے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ کیسا سنگدل بھائی تھا وہ..؟

ناپسندیدگی کا مظاہرہ کرنے والا اسے اللہ کی امان میں سونپ کر جاتا تھا۔

ہووووو۔

♦♦•••♦♦♦•••♦

میں نے لوگوں کی پرواہ اٹھارہ سال پہلے بھی نہیں کی تھی ناں آج کروں گئی میں اپنی بات آپ سے کہہ چکی ہوں اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے میں نہیں جانتی یہ سب کیسے ہو گا مگر یہ ہو جانا چاہئیے۔ قدرے مضبوط اور مستحکم انداز میں کہا جانے والا جملہ ہانی کے کانوں میں پڑا تھا اسنے قدرے افسردگی سے اپنے ماں باپ کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

میں نے بھی کہہ دیا ہے جب ہو سکے گا میں اسکا ایڈمیشن کروا دوں گا اب میں مزید اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتا اور اگر تم نے مزید اس ٹاپک پر بات کرنی ہے تو تم کمرے سے باہر جا سکتی ہو۔ جواباً اسنے اپنے باپ کی چنگھارتی ہوئی آواز سنی۔

یہ روز روز کی لڑائیاں، اونچی آوازیں، ایک دوسرے کی تذلیل و تحقیر کرتے جملے۔ جانے اس گھر میں کب سب نارمل ہونا تھا۔ ہونا بھی تھا یا نہیں.؟ وہ انہی قدموں پر کمرے میں لوٹ گئی خالی نظریں بیڈ کی طرف اٹھیں وہاں لیپ ٹاپ کے نزدیک راپنزل والے ڈیزائن کے کور میں رکھا موبائل پڑا تھا۔

ہانی کی آنکھوں کا خالی پن ایکدم سے واضح پریشانی میں تبدیل ہوا تھا۔ سکرین بلنک ہوئی اور ہوتی رہی۔ اسکا دماغ کام کرنا چھوڑ چکا تھا حواس ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

ایسا کیا بھیانک دیکھ لیا تھا اسنے..؟

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

سورج نے بادشاہت سنبھال لی تھی نیا دن، نئی امیدوں کے ساتھ شروع کیا گیا تھا۔

ہانی اس وقت قد آور آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ گلابی جوڑے میں ملبوس اپنے روٹین والے حلیے میں بس سر پر ڈوپٹہ نہیں رکھا تھا وہ اپنے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی خالی نظروں سے اپنے چہرے کے خدوخال کو وہ بہت جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

جب روح زخموں سے چور ہوتی ہے تو انسان اپنے جسم کو بناوٹی لحاف سے" ڈھانپ لیتا ہے مگر جب دل مر جاتے ہیں جو چہرے کی رنگت کیوں بدل جاتی ہے.؟ آنکھوں میں جینے کی امنگ ختم کیوں ہو جاتی ہے..؟ انکے لئے کوئی "بناوٹ کا سامان کیوں نہیں ہوتا..؟

اچھا تو جن لوگوں کے ساتھ حادثے پیش آتے ہیں انکے چہرے ایسے ہو جاتے ہیں۔ اسنے جیسے اپنا بھرپور جائزہ لیا اور کمنٹ دیا پھر مسکرائی تلخی سے، اداسی سے، کرب سے اور پھر نہیں مسکرائی۔

وہ ہانی یعقوب خان تھی بہن اور ماں کی نظر میں باپ جیسی مضبوط، نڈر اور ضدی شخصیت کی مالک مگر اندر سے کھوکھلی، ڈرپوک جو ایک فون کال پر ہی ڈر جایا کرتی تھی۔ ذرا سی آہٹ اور سرگوشیاں جسکے حواس سلب کر لیتی تھیں۔ ماضی کی قید میں جکڑی اسکی ذات نے اسکے پہلے تاثر کو پہلا اور آخری نہیں بننے دیا تھا۔

♦♦•••♦♦♦♦•••♦♦

آج وہ بہت خوش تھی کافی عرصے بعد وہ ہانی کے کہے بنا خود جلدی اٹھ کے نماز پڑھ رہی تھی اب دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اسکے چہرے پر رچی الگ سی خوشی دیکھی جا سکتی تھی۔

اتنی خوشی اسے کس بات کی تھی..؟

مجھے اصل خوشی اس بات کی ہے اللہ کہ میں روز جو گناہ دوہراتی تھی اس سے مجھے چھوٹ مل گئی ہے اب مجھے کسی سے بھی جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا۔

کیسا جھوٹ..؟

NOVEL HUT

نور چہکتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی ہانی رات سے کمرے میں نہیں آئی تھی صبح بھی نہیں تھی وہ سیدھا سٹڈی روم کی طرف گئی جو کہ سٹور روم تھا مگر رات نور کی نیند خراب نا ہو وہ کتابیں لے کر اکثر سٹور روم سے کنورٹ کیے سٹڈی روم میں چلی جاتی تھی۔

نور وہاں آئی تو ہانی لیپ ٹاپ بیگ میں رکھ رہی تھی۔

آپ روم میں نہیں آئی رات کو..؟ وہ دہلیز پر ٹھہری ہوئی تھی

ہاں رات مجھے بہت سارا کام کرنا تھا کچھ لائبریری کا بھی تھا اسلئے میں یہی رک گئی تھی کام کرتے کب سو گئی پتہ ہی نہیں چلا۔ ہانی بولے جا رہی تھی

اسے محسوس ہوا وہاں اسکے علاوہ کوئی نہیں ہے وہ پلٹی نور خاموش نگاہوں سے اس دیکھ رہی تھی

اسکی سیاہ آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا جسکا اندازہ ہانی اس وقت نہیں لگا سکی تھی۔

آپ مان لیں آپکی بیٹی کا کردار داغدار ہے اور اسے داغدار کرنے والی وہ خود) ہے)۔ نور کے کانوں میں اپنی پھپھو کے الفاظ گونجے روح کو جیسے کچوکا لگا تھا۔

آپ کسی سے بات کر رہی تھیں..؟ نور کی نظریں اب ہینڈ فری پر تھی۔ ہانی نے اب بھی اسکی انجان آنکھوں میں نہیں جھانکا تھا۔

ہاں۔ وہ بس اتنا ہی بولی۔ اسنے یہ کیوں نہیں بتایا وہ کس سے بات کر رہی تھی اگر نور پوچھتی تو وہ بتا دیتی اسے یقین تھا اسکی بہن جھوٹ نہیں بولتی کم از کم اس سے نہیں بولتی مگر وہ نہیں پوچھ سکی اسکی نظروں میں ہانی کے کردار کو لے کر لاریب کا کھینچا گیا نقشہ اس قدر ڈراؤنا تھا کہ وہ پوچھ ہی نہیں سکی کہ کہیں وہ سب حقیقت ہی نا بن جائے۔ مختصر وہ ہمت نہیں کر سکی تھی کیونکہ نور ایک کمزور اور ڈرپوک لڑکی تھی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

سورج کی کرنیں یوسفزئی بنگلے کو روشن کر رہی تھیں۔ باہر سے منظر جتنا حسین اور اس عالیشان بنگلے کو پر نمائش بنا رہا تھا اندر سے سنائی دیتا شور اور چیخیں اس قدر ہی دلدوز اور خوفناک تھیں۔ صبح صبح شور کیسا تھا.؟

مرسل کمرے سے باہر آیا تھا آدھے یونیفارم میں ملبوس یہ دیکھنے کے اب تماشا کیوں لگایا گیا ہے؟ یا اب کس موضوع پر تماشا رچایا گیا ہے؟ وہ خاموش تماشائی کی طرح آخری زینے پر رک گیا۔

لاونج میں اسکے غصے سے سرخ ہوتے باپ کے ساتھ سہمی ہوئی ماں بھی کھڑی تھی سامنے چوکیدار، ڈرائیور، مالی اور ایک کام والی قطار میں کھڑے تھے۔

مجھ سے قسم لے لیں صاحب صبح جب میں کوارٹر سے باہر آئی تب ہی یہ۔۔یہ یہاں ٹوٹا پڑا تھا۔ مرسل نے کام والی کی منمناتی آواز سنتے گردن کو آگے کر کے دائیں طرف فرش پر چکنا چور ہوئے پورسیلین جار کو دیکھا اسکی نظروں میں ذرا سی بھی حیرت نہیں ابھری تھی۔

وہ ایک اینٹیک پیس تھا قدیم طرز پر بنا ہوا پورسیلین جار جس پر مختلف زاویوں سے تراشیدہ لکیریں کھینچتے اسے قابلِ دید بنایا گیا تھا اسکی بناوٹ جتنی تراشیدہ اور نفیس سی تھی اس میں موجود مختلف رنگ اتنے ہی ایکٹریکٹو اور دلچسپی کا منظر رکھتے تھے جو دیکھنے والے کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتے وہ یقیناً ایک مہنگا اور ناقابلِ معافی نقصان تھا۔

ہم تو صبح کے اب گھر میں داخل ہو رہے ہیں صاحب ہمیں بھی کچھ نہیں معلوم۔ گردن جھکائے کھڑے ڈرائیور اکرم نے بھی اپنی صفائی پیش کی تھی۔

تو کون ہے یہ جو میرا نقصان پر نقصان کیے جا رہا ہے پہلے میری گاڑی کا کانچ ٹوٹا ملا، میری قیمتی گھڑی چوری ہو گئی۔ اب یہ جانے اور کتنے نقصان مجھے دیکھنے ہیں۔ ازل کے غصے سے بھرے الطاف صاحب کی اونچی آواز وہاں سب کے سانس سوکھا رہی تھی جبکہ سیڑھیوں پر کھڑے مرسل نے گہری طمانیت بھری سانس کھینچی جیسے جسم کے انگ انگ میں سرشاری بھر گئی ہو اسنے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

رات کا منظر تھا بارہ بجے کے قریب وقت تھا بنگلے کے بیک ایریا میں سے کسی چیز کو زور زور سے مارنے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیتی تھی جیسے کسی بھاری شے کو مٹی کے ڈھیر پر زور سے مارا جائے اور دھپ کی آواز سنائی دے۔

ذرا قریب آنے پر ہلال کی روشنی میں منظر واضح ہوا تو وہاں گھنگھرالے بالوں والا لڑکا ہاتھ میں بڑا سا پتھر لیے کپڑے کی پوٹلی پر زور زور سے مارتا ہوا نظر آیا

اسوقت اسکا چہرا پسینے سے شرابور اور آنکھیں اس قدر سفاک، بے حس اور وحشیانہ کہ الامان۔

اسنے کپڑے کی طے کھولی یہ وہی جار تھا جسکے اب ٹکرے ٹکرے ہو چکے تھے۔ ٹکرے نہیں کرچیاں۔

چہرے پر فتح پا لینے کی خوشی مگر آنکھیں بلا تاثر۔

اسنے آنکھیں کھولیں تو باپ کو کہتے سنا۔

یہ خود سے گر کر نہیں ٹوٹا اسے جان بوجھ کر توڑا گیا ہے کسی بھاری شے سے اسے چکنا چور کیا گیا مجھے تکلیف دینے کیلئے۔

وہاں سب کو معلوم تھا الطاف یوسفزئی کی کولیکشن میں رکھی کسی بھی شے پر ذرا سی خراش آئے تو انہیں ایسا دلی افسوس ہوتا ہے جیسے کوئی انسان مر گیا تھے۔ (Materialistic person) ہو۔ وہ ایک میٹیریلسٹک پرسن

مرسل یوسفزئی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ معصومیت سے پاک تھی اسکا پہلا تاثر جس میں وہ ایک کم عمر ڈرپوک لڑکا تھا اپنے باپ اور بھائی کی محبت اور

توجہ کی بھیک مانگنے والا دراصل اتنا معصوم اور نازک نہیں تھا وہ بے حس تھا سفاک تھا۔

اسکا پہلا تاثر آخری نہیں تھا۔
یقیناً اسکے باپ نے کل کال کر کے اسکے بھائی کو گھر آنے سے منع کیا ہوگا اسکی خوشی ادھوری رہ گئی تھی اس سے کچھ چھینا گیا تھا تو اسنے بھی بدلے میں کچھ چھینا تھا چوٹ اسے دی گئی تھی تو وہ بھی کمرے میں بند روتا نہیں رہا تھا۔
اسکے اندر موجود دوسری شخصیت جو ابھی تک کسی پر بھی عیاں نہیں ہوئی وہ خطرناک تھی جو اسے بدلہ لینے پر اکساتی تھی۔
کون جانتا تھا روندو، ڈرپوک مرسل دوہری شخصیت کا مالک ہے جسکا اصل تو صرف سیاہ رات اور ہلال نے دیکھا ہے۔

NOVEL HUT

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

تو طے تھا آج نور یعقوب خان کی نئے کالج میں مائیگریشن ہونی تھی۔ کالج کونسا تھا ہانی ڈیسائیڈ کر چکی تھی نور دروازے کے ساتھ بنی چھوٹی سی کیاری میں موتیے کے پھولوں کو چھو کے دیکھ رہی تھی ہانی کچن کے سامنے کھڑی اپنی

ماں کے ساتھ کسی بحث میں مصروف نظر آرہی تھی نور کا وہاں جانے کو دل نہیں کر رہا تھا اسلئے وہ سائیڈ پر ہی تھی کمزور دل کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ابو کو کس نے منایا تھا..؟ اور فیس کے پیسے ابو نے دے دیئے آپ کو..؟ آدھے گھنٹے کی بحث کے بعد ماں کو اللہ حافظ کہہ کر ہانی اور نور گھر کے دروازے کے باہر کھڑی بک کی کیب کا انتظار کر رہی تھیں۔

اسکے سوالوں پر ہانی کا سنجیدہ چہرا بے تاثر پڑا تھا آنکھوں میں شدید کرب سا ابھرا اسنے سڑک کے اختتام تک جاتے راستے کو دیکھتے کچھ سوچا تھا۔

یہ آج کی ہی ارلی صبح کا منظر تھا تقریباً چھ بجے اسے معلوم تھا اسکے ابو کب جاگتے ہیں گلابی جوڑے میں ملبوس چہرے پر سپاٹ انداز سجائے ہانی صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی کتاب کا مطالعہ کرتی انتظار کر رہی تھی۔

وہ مسجد سے واپسی پر گھر میں داخل ہوئے ہانی نے دروازے کی آواز پر گردن اٹھائی۔ باپ بیٹی کی نظریں ملیں جو کئی عرصے سے نہیں ملی تھی۔ دو نظروں میں غصہ اور بدگمانیاں رقم تھی۔ جبکہ دوسری دو بیک وقت کوفت، غصے اور اداسی سے بھرپور تھیں۔ یعقوب صاحب گردن جھٹکتے آگے بڑھ گئے۔

ابو۔ ہانی کی پکار سننے کے باوجود بھی انہوں نے چار قدم اٹھانے کے بعد خود کو جبر کر کے روکا تھا شاید وہ اس سے ہم کلام تک نہیں ہونا چاہتے تھے۔

آپ نے نور کے ایڈمیشن کے بارے میں کیا سوچا ہے.؟ ہانی نے پلٹتے خاموشی کو توڑا۔ ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ازلی دو ٹوک لہجہ۔ تو کب سوچیں گئیں اسکی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ اب اسے اپنے باپ کی ضد پر غصہ آنے لگا۔

ایک کی پڑھائی کا سوچ کر نتیجہ دیکھ چکا ہوں میں دوسری سے اب مجھے کوئی خاص توقع نہیں ہے۔ بے لچک لہجہ۔

میں آج اسکا ایڈمیشن کروانے جا رہی ہوں۔پہلی بات اور اسکے اثر کو زائل کرتی ہانی نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ لہجہ ہنوز نرم اور دھیما تھا۔ تم پہلے ہی اپنے لئے بہت فیصلے لے چکی ہو اور لے رہی ہو میں نے کسی قسم کا کوئی سوال جواب کیا.؟

کون کہہ سکتا تھا یہ گفتگو باپ بیٹی کے درمیان ہو رہی ہے۔

ایسا صرف آپ اپنے غصے اور ضد میں کر رہے ہیں آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے اسلئے۔ نا چاہتے ہوئے بھی ہانی کا لہجہ ڈگمگا گیا۔

خود پر سے میرا اعتبار ختم کرنے والی بھی تم خود ہو ہانی۔ اب کی بار وہ پلٹ کر شدید رنج سے بولے تھے ہانی لمحہ بھر انہیں دیکھتے استہزاء سے ہنس دی۔

انہوں نے سر جھٹکا اور کہا۔ میرے پاس اس وقت پیسے نہیں ہیں کہ اسکا ایڈمیشن... میں کروا لوں گئی خود ہی۔ بس آپ کو بتانا تھا۔ ہانی جتانے والے انداز میں کہتی چارپائی پر رکھی کتاب اٹھا چکی تھی۔یعقوب صاحب بھی کچھ سوچ کر واپس چلے گئے تھے۔

کالج وین کی آواز سنائی دی تو ہانی ہوش کی دنیا میں لوٹی۔

میں وین ڈرائیور کو منع کر کے آتی ہوں کہ اب سے یہاں نا آیا کرے۔ نور کی چہکتی آواز پر وہ خود کو خوش ہونے سے نہیں روک سکی تھی۔ اسنے سر اثبات میں ہلایا۔ نور وین کی طرف گئی۔ ہانی وہی ٹھہری رہی۔ہانی دس قدموں کی دوری پر کھڑی اسے ڈرائیور سے بات کرتے دیکھ رہی تھی ہلکی ہلکی آوازیں وہاں تک آرہی تھی۔ تب ہی ایک لڑکی وین کی ونڈو سے سر باہر نکال کر قدرے اونچی آواز میں نور سے تلخ کلامی میں گویا ہوئی۔

تم اب سے کالج نہیں آؤ گئی یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے نور۔ وہ تڑخ کر کہتی گویا اپنا وقت ضائع ہونے پر خفا ہوئی تھی۔

ہانی نے الجھ کر وہ منظر دیکھا دوسری طرف سے کیب قریب آرہی تھی نور اسے جواباً کچھ کہے بغیر ہی واپس آگئی تھی۔ کیونکہ وہ بہت کمزور اور ڈرپوک تھی بات بات پر رونے والی مگر پھر بھی آج وہ اداس نہیں ہوئی ہانی کو تسلی تھی اسنے بات کو زیادہ کریدا نہیں تھا وہ دونوں ایک نئے سفر پر گامزن تھی جو ان دونوں کیلئے اچھا بلکل ثابت نہیں ہونے والا تھا۔

♦♦••••♦♦♦♦••••♦♦

نہیں نہیں نہیں۔ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں وہ میرے ڈیڈ ہیں میں انہیں تکلیف نہیں دیکھ سکتا مگر میں ہر بار یہ کیسے کر لیتا ہوں اور کیوں..؟ کیوں میں خود پر کنٹرول نہیں رکھ پاتا.؟

مرسل یوسفزئی کسی کو چوٹ نہیں پہنچا سکتا وہ معصوم ہے وہ شیطان نہیں ہے وہ نقصان پہنچانے والا انسان نہیں ہے۔

آئینے کے سامنے کھڑے لڑکے کی آنکھوں سے آنسو قطار در بہہ رہے تھے جیسے وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہو مگر آئینے میں ابھرتا عکس تو کوئی اور ہی کہانی بتا رہا تھا۔

انہوں نے تمہیں تکلیف دی تھی انہیں تکلیف دینا جائز تھا رونا بند کرو۔ مرسل ڈرپوک نہیں ہے۔ آئینے میں ابھرتا عکس قدرے ناراضگی سے بولا تھا مرسل پھر بھی روتا رہا۔ وہ اسے دیکھتا روتا رہا وہ اپنے ہی اندر کسی دوسری شخصیت کی قید میں تھا جو واقعتاً خطرناک تھا۔

♦♦•••••♦♦♦•••••♦♦

نور اس وقت ہانی کے ساتھ لائبریری میں تھی۔ آف لینے کیلئے اسے وہاں آنا پڑا تھا۔ دیگر کام نپٹا کر وہ نور کی طرف آئی۔

چلو نور ہمیں تمہارے کالج کیلئے نکلنا ہے پھر نئے کالج بھی جانا ہے۔ وہ گھڑی پر ٹائم دیکھتی جلدی جلدی بولی تھی۔

آپی میں یہیں ہوں آپ جائیں اور جو فارمیلیٹیز پوری کرنی ہیں کر آئیں۔ کتاب کا مطالعہ کرتی نور سنجیدگی اور مصروفیت میں بولی تھی۔

لائیبریری سے کالج زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ ٹھیک ہے۔ ہانی نے سوچتے بیگ کندھے پر لٹکاتے باہر کی راہ لی۔ اسکے وہاں سے جاتے ہی نور کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی خوف میں بدلتی گئی۔ رکا سانس بحال ہوا تھا اسنے یکبارگی سے سر ٹیبل پر رکھ دیا۔

نئے دن کی شروعات خوفزدہ اور بری یادوں والی جگہ پر واپس جا کریں بلکل نہیں کرنا چاہتی۔ اسنے جیسے خود کو کسی بھیانک احساس سے آزاد ہوتے محسوس کیا تھا وہ مسکرائی تھی واللہ وہ دل سے مسکرائی تھی۔

♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦

یہ کچھ دیر بعد کا منظر تھا ہانی دھواں دھواں چہرے کے ساتھ واپس لائیبریری میں داخل ہوئی تھی اسکی متلاشی نگاہیں نور کو ڈھونڈ رہی تھیں جو سامنے کہیں نہیں تھی وہ آگے آئی جہاں ایک بک شیلف کے پیچھے نور کوئی کتاب کھولے کھڑی تھی ہانی طیش کے عالم میں اسکی طرف بڑھی اسکا بازو دبوچتی وہاں سے آخری بک شیلف کے پیچھے لے گئی تھی جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا نور اس افتاد پر بوکھلائی ہوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکی تھی۔

ہانی نے اسکا بازو چھوڑا۔ نور سنبھل کر کھڑی بھی نہیں ہوئی تھی ہانی کے سیدھے ہاتھ کا زوردار تھپڑ نور کے گال کو سرخ کر گیا۔ وہ ایکدم سے لڑکھڑائی آنکھوں میں حیرت نہیں غم ابھرا تھا دل کو چیرتا، روح کو زخم زخم کرتا شدید غم۔

آپی... گھٹی گھٹی آواز ابھری۔ ہانی نے دوسرا تھپڑ بھی مار دیا۔ بولتی زبان کو فقل لگ گیا۔ رکے آنسو بہتے چلے گئے۔ کسی امید کی کرن میں اٹھتی گردن گرتی چلی گئی۔

کوئی بھی بکواس مت کرتا نور۔ اسے بازو سے جھنجھوڑتے ہانی نے بمشکل چیختی آواز کا گلا دبایا تھا۔ نور سسکیاں لیتی رونے لگی ہانی پتھر بنی اسے دیکھتی رہی تھی جیسے اسکے آنسو اس کے سرزد کیے گناہ کیلئے ناقابلِ معافی نہیں تھے۔

آپی میں آپ کو سب بتاؤں گئی ایکبار مجھے سن لیں۔ صرف ایکبار مجھے صفائی کا موقع دیں میں آپ کو سب بتاؤں گئی۔ ہانی کو شدید غصے کی حالت میں لائبریری پار کرتے دیکھ نور دبی دبی روتی آواز میں اسے روکنے کی کوشش کرتی رہ گئی تھی۔

ہانی پیدل چلتی تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی وہ نور سے نہیں اس حقیقت سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی جسے سنے صرف آدھا گھنٹہ گزرا تھا۔ کچھ حقیقتیں آسیب کی طرح ہوتی ہیں جو انسان کو کبھی نا چھوڑنے کیلئے چپک جاتی ہیں۔

آپی خدارا ایک بار سن لیں مجھے۔ نور اسکے پیچھے پارک میں داخل ہوئی تھی ورکنگ ٹائم تھا اس وقت پارک خالی تھا کہیں دور کوئی ذی روح نظر آجاتا۔

اپنی غلطی کو جسٹیفائی کرنے کیلئے کونسی تقریر دینا چاہتی ہو نور بولو کیا بتاؤ گئی تم مجھے کہ تم روز کالج کا بہانہ کر کے کالج کی بجائے کہاں جاتی رہی ہو..؟تمہارے اندر اتنی ہمت کس نے ڈالی کہ تم اپنی فیملی کے اعتبار کو ٹھیس پہنچاتی رہی..؟ تم پچھلے ایک ماہ سے کالج نہیں جا رہی ہو نور۔ تم کالج نہیں جاتی تھی تو کہاں جاتی تھی؟ تم کیوں جاتی تھی؟ یہ سب ایسے سوال ہیں نور جو محض سوال ہوتے ہوئے تمہارے کردار کی ڈھجیاں اڑا سکتے ہیں۔ ہانی کی آواز شدتِ غم اور دھوکے کھا جانے کی وجہ سے پھٹنے لگی تھی۔ وہ بس روئی نہیں تھی۔

اللہ نوریہ تم نے کیا کر دیا۔ تم نے کیوں کیا۔ اللہ اگر کسی کو معلوم پڑ گیا..؟ اسکے لہجے میں بے پناہ خوف ابھرا تھا۔

اگر ابو کو معلوم ہو گیا۔ ہانی کو لگا وہ گر جائے گئی وہ زمین پر گر جائے گئی۔ اگر پھپھو کو معلوم ہو گیا نور...؟ ہانی کو لگا ساتوں آسمان سر پر آن گرے ہیں۔ وہ مردہ ہونے لگی تھی۔

وہ بلکل خاموش ہو گئی اپنے نڈھال وجود کو گھسیٹتی ہانی بنچ پر بیٹھ گئی۔ جبکہ نور سے تو وہ بھی نہیں ہو سکا چہرا الٹھے کی مانند سفید ہو چکا تھا خوف سے، شدید خوف سے۔

کیا تمہیں نہیں معلوم ہم کس طرح کے معاشرے میں گرو اپ کرنے والی لڑکیاں ہیں ہمارا خاندان اور رشتے دار کیسے ہیں..؟

تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آیا نور ابو کی عزت، امی کی قربانیاں۔۔۔ آہ نور۔ کیسے تم اتنی باغی ہو گئی؟ہانی کے لہجے میں ہلکورے لیتا شدید دکھ اسے زمین میں گاڑھ رہا تھا۔ نور بے آواز رو رہی تھی۔

ماضی کے کسی عذاب میں پھنسی نور یعقوب خان کی ذات کا پہلا تاثر بھی بالا آخر آخری اور اکلوتا نا بن پایا تھا۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

وقت گزر رہا تھا اسنے گزرنا ہی تھا کیونکہ وہ کسی کے دکھ اور خوشی میں تھم کر شرکت کرنا پسند نہیں فرماتا۔

ہانی اور نور اس وقت کیب میں تھی نور نہیں جانتی تھی وہ کہاں جا رہی ہیں.؟ کیا اب اسکا ایڈمیشن نہیں ہو گا کیا اسے سزا کے طور پر پھر اسی جگہ بھیجا جائے گا۔ وہ سارے راستے گردن گرائے انہی سوچوں میں غرق رہی تھی کہ ایکدم سے غصہ عود کر ایا۔ وہ اب دوبارہ اس کالج میں ہرگز نہیں جائے گئی اگر اسے بھیجا گیا تو وہ پھر وہی کرے گئی جو اسنے کیا تھا مگر وہ وہاں نہیں جائے گئی وہ کالج سے بھاگ جائے گئی۔ وہ اپنے اندر چلتی نفرتوں کی جنگ کو ایکبار پھر نئے موڑ دے رہی تھی۔

کیا مطلب وہ اپنے کیے پر ذرا بھی پشیمان نہیں تھی.؟

کیب رکی ہانی گاڑی سے اتر گئی نور گردن گرائے اسکے پیچھے اتری نظریں اٹھائیں تو سامنے گھر نہیں تھا۔ ہاں وہ کالج کا گیٹ تھا وہی کالج جہاں اسکا ایڈمیشن ہونا تھا جہاں جانے کے بعد نور کو اس پرانے ذلت بھرے کالج سے رہائی مل

جانے والی تھی۔ جہاں سے نور یعقوب خان کی زندگی نے بھیانک موڑ کاٹنا تھا۔

دیگر ڈاکومنٹس، فارمیلیٹیز پوری کرنے بعد بنچ پر بیٹھی نور کالج کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اپنے ارگرد کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اسنے گردن گھمائی وہاں کوئی نہیں تھا مگر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہو بہت غور سے، انتہائی غور سے۔

نور نے گردن گھمائی تو ہانی اکاؤنٹ آفس سے باہر آتی نظر آئی۔ پھر اسکے قریب آتے اور پھر اسکے ساتھ بنچ پر بیٹھتے۔ نور نے اسکا چہرا کھوجنے کی کوشش کی وہاں کچھ نہیں تھا۔

نور نے اسے دیکھا ایک بار، دو بار پھر نظر ہٹا لی، پھر دیکھا اور گردن جھکائی یکبارگی، ہلکی سی آواز نے موت کے سناٹے میں خلل پیدا کیا۔ آپ کو مجھے ایکبار سننا چاہئیے۔ نور کی باریک مترنم آواز پر ہانی نے تکان سے گہری سانس بھری تھی۔

اسنے سر نفی میں ہلایا شاید وہ اسے قصور وار مانتی تھی ہر حال میں وہ یہ نہیں جاننا چاہتی تھی حالات کیا تھے اسکے دماغ میں پنپتا اندیشہ صرف یہ تھا کہ اسکی بہن کی وجہ سے باپ کی عزت مٹی ہو سکتی تھی۔

تم اپنی غلطی کو جسٹیفائی کرنا چاہتی ہو..؟ اور یہ سوال ایسا تھا نور ایکدم ساکت ہو گئی۔ ہانی نے اسکی طرف رخ موڑا۔

تم مجھے جواز پیش کرنا چاہتی ہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا کہ تم نے اتنا انتہائی قدم اٹھایا..؟ نور کا سر اثبات میں ہلا۔

مطلب تم اپنی غلطی ابھی بھی نہیں ماننا چاہتی تمہیں یہی لگتا ہے کہ تم نے جو کیا کسی غصے یا غم کی حالت میں کیا۔ تم ابھی بھی خود کو اور اپنی غلطی کو جسٹیفائی کر رہی ہو نور اور تمہیں معلوم ہے جب انسان چھوٹی غلطی کر کے خود کو جسٹیفائی کرنے لگتے ہیں تو دراصل وہ خود کو بڑا گنہگار بنانے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اسنے دھیرے سے سر جھٹکا۔

انسان کو چھوٹے چھوٹے گناہوں کو جسٹیفائی نہیں کرنا چاہئیے بلکہ اسے اپنی غلطی تسلیم کرنی آنی چاہئیے اس میں اتنا حوصلہ ہو کہ جب اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اسے مان سکے اور اسکا ازالہ کر سکے۔ نور ساکت بنی سنتی رہی۔

بھڑکتی ہوئی آگ ایکبار میں ہی شعلے نہیں پکڑ لیتی کچھ وقت لگتا ہے آگ کو پروان چڑھنے میں خود کو خوفناک دیکھانے میں، چھوٹی غلطیاں آگ جیسی ہوتی ہیں چنگھاڑی نما آگ، جو چنگھاڑیوں سے ہی دہکتی ہے اور ان چنگھاڑی کو دہکانے کیلئے لیم ایکسکیوزز اور غلطیوں کی جسٹیفیکشن کافی ہوتی ہے۔

میں نے کیب منگوالی ہے تم گھر جاؤ۔ اور آپ کہاں جا رہی ہیں.؟

نور نے گیلی سانس اندر کھینچتے پوچھا۔لائیبریری جا رہی ہوں۔

وہ بلا تاثر بولی وہ اس سے ناراض تھی اسکی ناراضگی بنتی بھی تھی مگر نور کے دل میں آس تھی وہ اپنی بہن کو منا لے گئی۔

♦♦•••♦♦♦•••♦♦

شام سر پر تھی مرسل یوسفزئی ہمیشہ کی طرح موبائل ہاتھ میں پکڑے آئینے کے سامنے کھڑا اپنے اندر موجود دوسری شخصیت کی زیرِ اثر کسی نئے نقصان کو ترتیب دے رہا تھا۔

کیا وہ پھر اس دوسری شخصیت کے ہاتھوں مات کھا جائے گا.؟

نور ہمیشہ کی طرح چھت پر ہلال کی روشنی میں بیٹھی کسی کو اپنی غم کی داستان سنا رہی تھی۔ کاش اسے غلطی کو جسٹیفائی کرنے اور تسلیم کرنے کے درمیانے فرق کی سمجھ وقت پر آجاتی۔

ہانی اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کام کرتی نظریں موبائل کی جانب رکھے ہوئے تھے جیسے وہ خود کو اچانک آہٹ کے خوف سے بچا لینا چاہتی ہو۔ مگر وہ تو بہادر تھی ناں.؟

الطاف صاحب اس وقت سٹڈی روم میں تھے ڈیسک پر رکھی فائل جو بہت ڈھونڈ کر نکالی گئی لگتی تھی جس کے پہلے صفحے پر تصویر تھی اور نام کے خانے میں لکھا "رومیسہ" لفظ وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ کیا وہ اسے بچانا چاہتے تھے.؟

یعقوب صاحب جو اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ روز کی طرح کسی بحث میں الجھے نظر آتے تھے۔

ایک وہی تھا جو ہمیشہ کی طرح اکیلا تھا ان تنہا سڑکوں پر خود سے ، ساتھ چلتی ہواؤں سے باتیں کرتا آج بھی اسی ناپسندیدہ کردار کے متعلق ان سے باتیں کرتا۔ کیا ناپسندیدہ کرداروں کے متعلق اس قدر باتیں کی جاتی ہیں..؟

سنہری آنکھوں والا حسین مرد جو وہاں سے تو خالی ہاتھ لوٹ آیا تھا مگر اسکی سوچوں میں ایک نیا شیطانی کھیل جنم لے چکا تھا۔ میرے خیال سے تم سے ایک تفصیلی ملاقات رکھنی چاہئیے جو کر لڑکی... نہیں..؟ وہ شیطانی ہنسی ہنسا تھا۔

کون رہ گیا تھا اس پہلے پڑاؤ میں سے، کیا کوئی رہ گیا تھا؟

جو اسی پڑاؤ کا ساتھی اور مسافر رہا تھا۔ کیا ہم کسی کو بھول رہے تھے..؟ ہاں۔ ہم بھول گئے۔ مگر کسے..؟

ایک قصر ، ڈراؤنا قصر، چاندنی سیاہ رات، درختوں اور چھلاوؤں کی بھیڑ میں، چار شکاری پالتو بھیڑئیے اور انکے درمیان میں کھڑا سیاہ کافتان میں ملبوس وہ

دراز قد مرد جسکے قدم اٹھ رہے تھے وہ قصر کے بیک ایریا کی طرف رواں تھا وہ رکا فرش پر لگا لکڑی کا بڑا سا دروازا اٹھایا گیا زینوں نے اپنی جھلک دکھائی۔

قدموں نے اپنی راہ سنبھالی۔ اندھیروں نے اپنے بادشاہ کا استقبال کیا۔ مٹی کی خوشبو، سرخ دیواریں، فرش پر پڑیں خون کی چھینٹیں، دیواروں پر ٹنگی زنجیریں۔ وہ سب ریلیکسنگ تھا مگر کس کیلئے..؟ وہ اسے خوشی بخش رہا تھا الگ سی طمانیت ، سکون بھرا احساس مگر تھا کون وہ...؟

وہ سیاہ کافتان والا مرد جو چلتا ایسے کہ کسی کی موت آرہی ہو جو دیکھتا ایسے کہ مقابل برف بن جائے اور پھر راکھ۔

وہاں سانسیں تھیں وہاں ایک زندگی تھی جو اسکی مرہونِ منت تھی جو اسکی دی سانسوں پر چلتی تھی۔

مگر وہ اسے دیکھتا تک نہیں تھا اسے نفرت تھی اس شخص سے مگر اسے ضرورت تھی ان سانسوں کی۔

وہ آخری کونہ تھا جو سرخ روشنی لیے ہوئے تھا جسکی دیواروں میں ایک دیوار پر سفید بورڈ تھا جس پر لگی تھی کئی تصویریں۔

قریب چل کر دیکھو تو تمہیں نظر آئے گئی ایک تصویر۔
سیاہ آنکھوں اور لمبے بالوں والی لڑکی کی جسکے دائیں سائیڈ لگی تھی ایک اور تصویر۔ سرمئی آنکھوں والا مرد۔
جسکی ایک طرف تصویر تھی سنہری آنکھوں والے شہزادے کی۔
تو دوسری طرف تھی وہ جوکر لڑکی۔
مگر جو ان سب تصویروں کے مرکز میں تھی۔
گرے آنکھوں والی لڑکی. اب یہ گرے انکھوں والی لڑکی کون تھی.؟ وہ ایک کڑی تھی جو ان سب کو ملاتی تھی جس پر لگا ریڈ مارک کسی انہونی کی نشان دہی تھا۔
مگر کیا تھی وہ انہونی...موت یا کچھ اور..؟
باقی آئندہ ماہ کیلئے

NOVEL HUT

CONTACT AUTHOR

If you want to contact the author we'll mention her instagram here , you can dm her there .
Novel-hut at your service .
JAZAKALLAH

writers's instagram : maheenahmadofficial

NOVEL HUT